دین آسان ہے

مرتب
مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

ناشر

جمعیۃ المعارف الاسلامیہ
ندوہ روڈ، ٹیگور مارگ لکھنؤ
فون نمبر:9984778800
E-mail:JMI_LKO@YAHOO.CO.IN

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

بارِ اول

ربیع الاول ۱۴۴۳ھ -- اکتوبر ۲۰۲۱ء

نام کتاب	:	دین آسان ہے
مرتب	:	مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری
صفحات	:	۱۶۰
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
طباعت	:	لکھنؤ پریس، ڈالی گنج لکھنؤ
قیمت	:	۸۰ روپے

ناشر

جمعیۃ المعارف الاسلامیہ

ندوہ روڈ، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

فون نمبر: 9984778800

E-mail:JMI_LKO@YAHOO.CO.IN

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوہ کیمپس، لکھنؤ

مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ --- مکتبہ شباب، ندوہ روڈ، لکھنؤ

مکتبہ ندویہ، ندوہ کیمپس، لکھنؤ

فہرست عناوین

دین آسان ہے

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	مقدمہ از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ	۵
۲	تقریظ از: حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۷
۳	پیش لفظ از: جناب مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی	۹
۴	حرفے چند از: مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	۱۲
۵	عرض ناشر از: مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری	۱۶
۶	یسر کا لغوی واصطلاحی معنی	۱۹
۷	یسر کا لغوی معنی	۱۹
۸	یسر کا معنی امام راغب کے نزدیک	۱۹
۹	ابن فارس کے نزدیک	۲۰
۱۰	ابن منظور کے نزدیک	۲۰
۱۱	سمین حلبی کے نزدیک	۲۰
۱۲	یسر کے معنی کا خلاصہ	۲۱
۱۳	یسر قرآنی اصطلاح میں	۲۱
۱۴	یسر کے معنی سے قریب تر قرآنی کلمات	۲۳
۱۵	تخفیف	۲۷

۱۶	الوسع - وسعت	۳۰
۱۷	ھون	۳۳
۱۸	نفی الجناح	۳۵
۱۹	وضع الاصر	۳۸
۲۰	فعل مضارع کے صیغوں آیات	۴۵
۲۱	قرآن کریم یسر کے میدان میں	۶۱
۲۲	اصطلاح یسر استعمال کے میدان میں	۶۱
۲۳	عقیدہ میں آسانی	۶۲
۲۴	اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود	۹۲
۲۵	قرآن کریم سے تعلق میں آسانی	۹۷
۲۶	عبادات میں آسانی	۱۰۶
۲۷	معاملات اور شخصی احوال میں آسانی	۱۱۹
۲۸	شراب وجوئے کی تدریجی تحریم	۱۲۰
۲۹	طلاق کا مسئلہ	۱۲۷
۳۰	اجتماعی تعلقات میں آسانی	۱۳۱
۳۱	دعوت وتبلیغ میں آسانی	۱۴۰
۳۲	آسانی کے تطبیقی نمونے	۱۵۰
۳۳	پہلی بحث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آسانی	۱۵۰
۳۴	دوسری بحث: صحابہؓ وتابعینؒ کی زندگی میں آسانی	۱۵۵
۳۵	خاتمہ	۱۵۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العلمین ، والصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبین سید نا محمد بن عبد اللّٰہ الأمین ، و علی آلہ و صحبہ أجمعین، و علی من تبعھم باحسان و دعا بدعوتھم الی یوم الدین و بعد!

اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنایا ہے اور انسان پر اتنی ذمہ داری رکھی ہے کہ جس کو وہ بآسانی انجام دے سکے: "لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعھا" اللہ تعالیٰ نے بقدر طاقت وصلاحیت مکلّف کیا ہے، نماز جو سب سے ضروری چیز ہے، اس کو معاف تو کسی صورت میں نہیں کیا، لیکن مختلف اعذار، امراض اور دشواریوں کے وقت میں اس میں آسانی پیدا کردی ہے، جیسے سفر میں قصر، بیماری میں کھڑے ہوکر نہ پڑھنے کی صورت میں بیٹھ کر، اور ایسا بھی نہ کرسکنے کی صورت میں اشارہ کی سہولت دی ہے اور عذر کی صورت میں قضا کی سہولت بھی عطا کی ہے اور فدیہ کا بدل بھی دیا، حج میں حج بدل کی سہولت رکھی، لیکن یہ سہولتیں مجبوری کی شکل کی ہیں، ورنہ اصل وقت پر اعمال کی ادائیگی ہے اور وقت پر اعمال کی ادائیگی سے خود دوسرے اعمال کی انجام دہی میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو وقت پر اعمال کی ادائیگی زیادہ پسند ہے اور یہ بات آسانی اور سہولت کا باعث ہوتی ہے، اس لیے تمام امور میں وقت کا بڑا لحاظ پایا جاتا ہے:" یرید اللّٰہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر"[سورہ

بقرہ:۱۸۵]اور ارشاد ہے:"ونیسرك لليسرى "[سورہ اعلیٰ:۸] کہ ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کریں اور ارشاد ہے:"ولقد يسرنا القرآن للذكر "[سورہ قمر:۱۷] اور بے شک ہم نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا۔

اس طرح بڑی واضح باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جو فرائض، حقوق اور واجبات رکھے ہیں، ان میں ایک دوسرے کے لیے بڑی سہولت اور آسانی کا سامان ہے جن کی ادائیگی سے بہتر سے بہتر ایک اسلامی بلکہ انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

عمومی طور پر لوگوں کے ذہن و دماغ میں یہ بات رہتی ہے کہ دین کے احکام پر عمل دشوار عمل ہے، اور یہ سوچ کر وہ لوگ عمل میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جو لوگ اسلام سے دور ہیں وہ اسی ڈر سے قریب آنے سے ہچکچاتے ہیں، مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی (عمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام دار العلوم ندوۃ العلماء) نے جو مختلف انداز سے تعلیم دین اور تفہیم دین وشریعت کا کام کر رہے ہیں، اس کو موضوع بنا کر ایک اچھی کتاب تیار کر دی جو قابل قدر ولائق مطالعہ کتاب ہے، اس کتاب سے پہلے ان کے قلم سے کئی کتابیں سامنے آچکی ہیں اور مختلف سیمیناروں وکانفرنسوں میں اپنے مقالات کے ساتھ شریک ہوتے رہے ہیں اور اپنی تقریروں وخطابات کے ذریعہ بھی ایک شناخت اور پہچان رکھتے ہیں، ان کی یہ علمی ودعوتی کوشش ایک مفید واچھی کوشش ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کا فائدہ عام اور مقبول ہو۔

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ

تقریظ

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ہر نوعیت کے ("یســـر" آسانیوں) سے مالا مال فرمایا ہے، زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو اس یسر سے محروم ہو، یا اس کی وجہ سے اس کو اس یسر کا ناقص حصہ ملا ہو، کتاب وسنت کے مطالعہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے مزاج کے مطابق دین اسلام کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے وضع فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان چاہے جہاں بھی ہو اور جس ملک و بقعہ میں موجود ہو، یہ دین اس کی پوری اور ہمہ جہت رہنمائی کرتا ہے اور ان تمام باتوں سے باخبر کرتا ہے، جن سے زندگی صحتمند اور کامیاب ہوتی ہے، اور ان تمام عادتوں اور گناہوں سے روکتا ہے جو انسانی زندگی کو ناکامی اور بے اطمینانی سے دوچار کرتی ہیں۔

زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اللہ تعالیٰ کی عبدیت کی زندگی ہو یا اتباع نفس اور شیطان کے خوبصورت خوابوں سے تعلق رکھتی ہو، ہر حال میں وہ زندگی اللہ تعالیٰ کا خالص عطیہ ہے، جس میں عقل وفہم، قانون شریعت اور باہمی تعلق کے بارے میں مکمل تفصیلات پائی جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ: "ان الدین یسر"۔

اسی حقیقت کے پیش نظر اس آیت کی تفسیر وتشریح میں پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ دین کے یسر ہونے کو اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے۔

میں کتاب کے مرتب محبّ گرامی جناب مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں اس موضوع کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا ہے، اور ایک وقیع اور ہر وقت کام آنے والا علمی ودینی تحفہ اہل علم کی خدمت میں پیش کر کے احسان کیا ہے، اور ہر اس شخص کے لیے جو دین سے تعلق رکھتا ہو، اور مکمل زادعمل پیش کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں سرخ رو ہونے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہو۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ہر طبقے میں قبولیت حاصل کرے گی، اور اس سے اسلامی زندگی کی آسانیاں سامنے آئیں گی، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازیں، اور مرتب کتاب کو اس کی بہتر سے بہتر جزا دین ودنیا ہر جگہ عطا فرمائیں، آمین۔

راقم الحروف

سعید الرحمٰن الاعظمی

مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

پیش لفظ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے صف اول کے نہایت مؤقر استاد جناب مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری کی یہ کتاب "یسر" دین میں آسانی کا مفہوم آپؐ کے ہاتھ میں ہے، حدیث شریف "الدین یسر" ہی کی تشریح ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ دین بھی اسلام ہی اللہ کے نزدیک اصل دین ہے، اور آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا و مولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک یہی دین اسلام ہمیشہ اللہ کا معتبر، منتخب اور مختار دین رہا ہے اور ہے، یہی دین آخرت میں ذریعہ نجات اور جنت میں لے جانے اور جہنم سے بچانے کا ذریعہ ہے اور اللہ کی رضامندی و خوشنودی کے حصول کا بھی صرف یہی ذریعہ ہے، اس کے علاوہ کوئی دین بھی نہ اللہ کا منتخب دین، نہ ذریعہ نجات، نہ اللہ کی رضامندی کا سبب ہوسکتا ہے۔

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "ان الدین عند اللہ الاسلام" کے مختصر الفاظ میں بیان فرمادیا ہے، اس دین کی عبادات، معاملات اور معاشرت کے جملہ احکام و اعمال نہایت آسان ہیں، مثلاً نمازوں کے پابند مسلمانوں کے لیے ہر موسم اور ہر حال میں نمازیں آسان معلوم ہوتی ہیں لیکن کسی اتفاقی یا عارضی وجہ سے نمازوں میں کچھ مشکلات محسوس ہوتی ہوں تو دین اسلام یعنی شریعت اسلامی نے ہی اس مشکل کو دور کردیا جیسے مسافر کی چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کردیا ہے، یا بیمار کو بیٹھ کر یا شدید بیماری کی صورت میں لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت دیدی ہے۔

اسی طرح موسم کی سختی، مرض کی وجہ سے وضو و غسل کی جگہ تیمّم کی اجازت

دیدی اور اسے ہی کافی قرار دیدیا، سفر یا موسم کی سختی کے باوجود روزہ دار کی بیماری کی وجہ سے روزہ کو فی الوقت نہ رکھنے اور بعد میں قضا کرنے کی اجازت دیدی ہے اور بوجہ مجبوری رمضان المبارک کے روزوں کو غیر رمضان میں رکھنے میں اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی ہے، دیگر مذاہب میں تحصیل معاش کے ذرائع کو اختیار کرنا دنیا داری ہے، لیکن اسلام میں تحصیل معاش کے جملہ جائز اور اچھے ذرائع اللہ کے نزدیک اجر وثواب اور حصول جنت کا ذریعہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے، نیک تاجروں اور کاشتکاروں کی اور ان کے ان اعمال کی بڑی فضیلت بیان فرمائی اور ان کو اللہ کی رضامندی کا ذریعہ بتلایا ہے۔

شادی بیاہ جو ایک متفقہ انسانی ضرورت ہے، اور نسل انسانی جو کائنات کا مقصود نیز اللہ کی ساری مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق ہے، کی بقاء کا ذریعہ ہے، اس کو دین اسلام سے ناواقف یا باغی لوگوں نے یا غیر ضروری یا نہایت مشکل بنادیا ہے، مذہب اسلام جو کائنات کے خالق کا مذہب مختار ہے اور اپنے بندوں کے لیے زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ ہے، ایسے انسانوں کے خالق نے انسانوں کے لیے عموماً ضروری، باعث اجر وثواب اور ایک مذہبی عمل قرار دیا ہے، وہ نہ غیر ضروری ہے جسے نام نہاد ترقی یافتہ اور عیاش لوگوں نے غیر ضروری قرار دے کر اپنی اخلاقی ذمہ داری سے پیچھا چھڑا لیا ہے، ان کی نام نہاد ترقی نے ان کو اس کی اجازت تو نہیں دی کہ جائز اور شریف ومہذب طریقہ پر وہ ایک سے زیادہ شریف بیویاں رکھیں، لیکن ہاں اس کی بالکل اجازت ہے کہ فرینڈ شپ یعنی دوستی کے عنوان پر وہ جتنی چاہیں داشتائیں رکھیں، مذہب اسلام نے شادی کو ایک نیکی اور مذہبی عمل قرار دیا اور ضرورت نیز مناسب قیود کے ساتھ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی بھی اجازت دی اور چار تک کی حد بندی بھی کر دی، یہ جملہ باتیں ایک

شریف معاشرہ کے لیے بہت مفید اور ضروری ہیں۔

اسی طرح ہر اچھا کام جسے بندہ اپنے مالک کی رضامندی کے لیے کرتا ہے، دینی کام ہے، شادی میں دوسری جانب بے جا اسراف ہے، جو مسلمانوں نے غیروں سے سیکھ کر اختیار کر لیا ہے جو اس کے کرنے والوں کے دین و دنیا دونوں کے لیے مضر ہے۔

اسلامی میراث کے احکام اور ان کی تفصیلات بالکل بے نظیر ہیں، دنیا کے کسی مذہب میں ان کی مثال نہیں ملتی اور یہ احکام مورث اور ورثہ سب کے لیے خیر کا ذریعہ ہیں اور ان میں انسانیت کے لیے بہت سی سہولتیں ہیں، اس کتاب میں دینی وشرعی احکام و مسائل میں سہولتوں اور آسانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، کتاب کا انداز علمی ہے جسے بہت حد تک آسان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کتاب کو مولانا اور سب پڑھنے والوں کے لیے آخرت کے یسر اور کامیابیوں کا ذریعہ بنائے، آمین۔

فقط

محمد زکریا سنبھلی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲/محرم الحرام ۱۴۴۳ھ

۱۰/۸/۲۰۲۱ء

حرفے چند

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم النبین سید نا محمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین.

دین اسلام مکمل اور آسان دین ہے جس میں نہ کوئی چیز کم کی جاسکتی ہے اور نہ بڑھائی جاسکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے دین پر چل کر بتا دیا کہ اس پر کس طرح چلا جائے گا، اور کیسا برتا جائے گا، کوئی شعبہ عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، جذبات، احساسات، تاثرات، اجتماعی امور، انفرادی امور، عائلی حقوق، اجتماعی حقوق اور عام انسانی حقوق تک سبھی میں ایسی رہنمائی عطا کی کہ اس کی روشنی میں دین پر تا قیام قیامت چلنا آسان کر دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آخری نبی و رسول، اور تمام انبیاء ورسولوں کے سردار جو آپؐ سے پہلے مختلف زمانوں اور مقام پر آتے رہے، اور آپؐ کے طریقہ کو نمونہ قرار دیا گیا، اور یہ بھی فرمایا گیا: "ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہا کم عنہ فانتھوا" کہ جن باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لینے کو کہا گیا ہے، وہ لو اور جن سے رکنے کو کہا ان سے باز رہو۔

واقعہ یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت و سیرت نبویؐ کی روشنی میں ایک مسلمان کی زندگی کا مکمل دستور العمل ، ہدایت نامہ اور نظام زندگی، عقائد، عبادات، اخلاق اور عادات وشمائل کے بارے میں تعلیمات واسوۂ نبویؐ کی وضاحت اور اصلاح و تربیت نفس کے لیے قرآنی ونبوی ہدایات وتعلیمات نہ صرف موجود ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب واہل بیت رضی اللہ عنہم نے جس طرح چل کر دکھایا، اس نے اس کو رہتی دنیا تک کے لیے بہت آسان نمونہ کے طور پر پیش کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین نمونہ بنا دیا ہے، اور فرمایا: " لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة، لمن كان يرجو الله و اليوم الآخر و ذكر الله كثيراً"۔

البتہ اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان ویقین اور اللہ کی یاد اس کو آسان کرتی ہے، جبکہ مادیت اور دنیوی نفع پر نظر اور لالچ اسے مشکل اور ناقابل عمل بناتی ہے جس کو بہت بلیغ الفاظ میں یوں فرمایا گیا: " منكم من يريد الدنيا و منكم من يريد الآخرة" اس حقیقت کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

" ہماری جدید تہذیب اور موجودہ فکری قیادت معاشرۂ انسانی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے افراد تیار کرنے اور انسان کی سیرت سازی میں بری طرح ناکام رہی ہے، وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتی ہے، وہ خلا میں سفر کرنے کے لیے محفوظ وسریع السیر آلات تیار کر سکتی ہے، انسان کو چاند اور سیاروں پر پہنچا سکتی ہے، وہ ذراتی طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتی ہے، وہ ملک سے غریبی دور کر سکتی ہے، وہ علم وہنر کو آخری نقطۂ عروج پر پہونچا سکتی ہے، وہ پوری کی پوری قوم کو خواندہ وتعلیم یافتہ بنا سکتی ہے، اس کی ان کامیابیوں اور فتوحات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، لیکن وہ

صالح اور صاحب یقین افراد پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی اور بدقسمتی ہے اور اسی وجہ سے صدیوں کی محنتیں ضائع و برباد ہو رہی ہیں اور ساری دنیا مایوسی و انتشار کا شکار ہے"۔[کاروان مدینہ، ص/۵۰]

پیش نظر کتاب ایک ممتاز عرب عالم کی دین میں "یسر" کے پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے سامنے آئی اور اس کا ترجمہ بھی ہوا، جس کی افادیت و اہمیت اس کی ضمانت اور اسلوب سے اردو داں طبقہ میں، وہ نہ سامنے آسکی جس کی توقع تھی، استاذ محترم مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری زید مجدہ کو اس کی تسہیل و تلخیص کا خیال ہوا، اور انہوں نے بہتر اسلوب و انداز میں اس کو پیش کیا کہ انہیں نہ صرف اس کا تجربہ ہے بلکہ انہیں تعلیم و تربیت کے میدان میں افراد سازی کا بھی ایک طویل تجربہ ہے، اور زمانہ طالبعلمی سے ہی وہ اپنے رفقاء میں ممتاز تھے، اس کے بعد بھی میدان عمل میں تفوق و امتیاز حاصل رہا ہے، ان کا انتخاب خود ایک سند رکھتا ہے، جس پر انہیں کسی تقریظ وغیرہ کی ضرورت نہیں، یہ ان کی چھوٹوں پر شفقت اور دوسرے معنی میں ذرہ نوازی کی بات کہ آپ اپنے کاموں میں اپنے چھوٹوں کو شریک کر کے ان کی تربیت فرماتے ہیں۔

راقم الحروف کو صحیح مسلم کے اکثر ابواب آپ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور ساتھیوں کو سنن ترمذی بھی جبکہ اب وہ صحیح بخاری کے بعض ابواب کا درس دے رہے ہیں، اس کے علاوہ ان کے معارف سے استفادہ کے مواقع برابر مختلف مواقع سے حاصل ہوتے رہے، اللہ تعالیٰ آپ کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر قائم رکھے، اور آپ کا علمی، تحقیقی دینی سرمایہ جو نگاہوں سے مستور و مخفی ہے، وہ ظہور میں آتا رہے، ہمارے وہ احباب خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں جو استاد محترم کے ان کاموں کو سامنے لانے میں معاون و شریک ہیں، اس کتاب

کی تیاری میں مولانا محمد جاوید اختر ندوی اور مولانا محمد کلام الدین ندوی کا خاص تعاون رہا ہے، جزاهم الله خير الجزاء۔

تعمیل حکم میں چند سطریں سپرد قلم کرنے کی سعادت کے حصول پر رب کریم کے انعام واحسان پر جس قدر شکر گزار ہوا جائے، وہ کم ہے کہ: "لئن شکرتم لأزیدنکم"۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور مبارک کرے، آمین۔

محمود حسن حسنی ندوی
جوائنٹ سکریٹری
مجلس تحقیقات ونشریات واسلام، لکھنؤ
۸/محرم الحرام ۱۴۴۳ھ
۱۶/اگست ۲۰۲۱ء

عرض ناشر

اسلام آسان دین ہے، اللہ عزوجل کا برپا کیا ہوا دین ہے، جس طرح اس ذات بے ہمتا نے نظام تکوینی کو محکم بنایا اور اس نظام کے دورانیہ کو آسان کیا ہے، اسی طرح اس ذات نے نظام تشریعی کو اِحکام کے ساتھ آسان بھی کیا ہے تاکہ اس فطرت سے وہ نظام ہم آہنگ ہو سکے جس پر انسان کو پیدا کیا ہے۔

نظام تشریعی کا محور قرآن پاک ہے، قرآن پاک اللہ کی کتاب بھی ہے اور اللہ کا کلام بھی، اس میں اصول زندگی اور دستور حیات کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، معاش و معاد کی گتھیاں سلجھائی گئیں ہیں، معاشرت اور اخلاقیات کے سمن زاروں کی آبیاری کی گئی ہے، اور وہ حقائق پیش کیے گئے ہیں، جو کبھی غلط ثابت نہیں کیے جاسکتے، اور وہ وثائق بیان کیے گئے ہیں، جو زندگی کے خدوخال کو اجاگر کرتے ہیں، اور جن سے اغماض برتنا زندگی کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، قصص و واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔

قرآن پاک اللہ کی وہ کتاب ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے، اس کے معانی میں جس حد تک غواصی کی جائے گی، ابواب وا ہوتے چلے جائیں گے، علماء نے ہر دور میں قرآن پاک کی خدمت کو اپنا شعار بنایا ہے، تفسیری سلسلہ

ایک عظیم شاہکار ہے، جس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔

کچھ برسوں سے تفسیر قرآن کے تعلق سے موضوعی تفسیر کا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے، کسی ایک موضوع کا انتخاب کرکے اس سلسلہ میں جتنی آیتیں قرآن پاک میں وارد ہوئی ہیں، ان کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ موضوع کے مطابق ہوں۔

زیر نظر کتاب بھی تفسیر موضوعی کا ایک حصہ ہے، اس کتاب میں "یسر" کو موضوع بنایا گیا ہے اور عبادات، اخلاقیات، معاشرت اور سماجی زندگی میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے، اس طرح یہ ایک مفید عمل ہے۔

یہ کتاب "الیسر فی القرآن الکریم: دراسة موضوعية" محترم جناب رأفت کامل عید السیوری کی تالیف ہے، کتاب اس موضوع پر بہت مفید معلوم ہوتی ہے، ارادہ ہوا کہ اس کو اردو کا قالب دیا جائے، لہٰذا یہ خدمت جناب مولانا محمد قیصر حسین ندوی استاد تفسیر وادب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سپرد کی گئی، اور انہوں نے بہت ہی محنت ودقت رسی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا، ہم ان کے مشکور ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، کتاب علمی ہے، لہٰذا ضرورت تھی کہ اس کو آسان بھی کیا جائے، اور ترتیب وتنسیق کے ساتھ اس کی تلخیص بھی کردی جائے، بندہ نے اپنی بساط کے مطابق چند مسائل میں ایسا کرنا ضروری خیال کیا، اس سے کتاب کا حجم بھی بڑھنے نہیں پایا، اور مفہوم کی ادائیگی میں بھی کوئی نقص نہیں پیدا ہوا۔

میں اپنے استاد مخدوم ومحترم مربی جلیل حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ہم سراپا مشکور ہیں کہ حضرت والا طبیعت کے ضعف اور مصروفیات کے باوجود حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس کا مفید ومؤثر مقدمہ لکھا، اللہ تعالیٰ حضرت والا کی عمر دراز فرمائے، ان کی رہنمائی و تربیت میں بہت کچھ حاصل کرنے کا موقع ملا۔

اسی طرح اپنے استاد محترم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ہم ممنون ومشکور ہیں جن کی تقریظ سے اس کتاب کی اہمیت دوچند ہوگئی، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کرم فرمائی کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

اپنے استاد محترم حضرت مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی استاد حدیث وعمید کلیۃ الشریعہ واصول الدین دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بھی سراپا سپاس ہیں کہ انہوں نے اس کتاب پر پیش لفظ لکھ کر عظیم احسان فرمایا، اور اس موضوع کی اہمیت بڑھائی، اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے، اور خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

جناب مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نائب مدیر 'تعمیر حیات' ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بھی ہم شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کو دیکھا، پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور تعارفی کلمات سے نوازا۔

اخیر میں عزیز گرامی مولانا محمد جاوید اختر ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ومعاون مدیر ''تعمیر حیات'' نے کتاب کی تیاری میں علمی وعملی تعاون دیا، اسی طرح مولانا محمد کلام الدین ندوی معاون انچارج مجلس تحقیقات ونشریات اسلام نے طباعت کی ذمہ داری کے ساتھ فہرست کی ترتیب میں وقت دیا، ہم ان دونوں حضرات کے مشکور ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے مخلصانہ تعاون کو قبول فرمائے، اور اس کتاب کو نافع ومفید بنائے۔

فقط

محمد خالد ندوی غازی پوری

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ر محرم الحرام ۱۴۴۳ھ

۱۸ر اگست ۲۰۲۱ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

یسر کا لغوی و اصطلاحی معنی

یسر کا لغوی معنی

عربی زبان کی لغات ومعاجم کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یسر کے درج ذیل معانی ہیں:

یسر کا معنی امام راغب کے نزدیک

امام راغب اصفہانیؒ نے کہا کہ یسر عسر کی ضد ہے (آسانی سختی کی ضد ہے) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ". [سورۃ بقرہ، آیت:۱۸۵] (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں)۔

"سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُسْراً" [سورۃ الطلاق، آیت:۷] (اللہ تنگی کے بعد فراغت وآسانی بھی کردے گا) کہا جاتا ہے: تیسّر کذا واستیسر (فلاں کام آسان ہوگیا)، اوراسی سے مشتق ہے: أیسرت المرأۃ ویسرت (عورت نے آسانی سے جنا)، اور کہا جاتا ہے: ویسرت کذا، (میں نے اس کام کو آسان کردیا، تیار کردیا)، اللہ تعالیٰ سورۃ قمر میں فرماتا ہے: "وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ" [سورۃ قمر، آیت:۱۷] (اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے)، اسی سے ہے: یسریٰ (آسانی)، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَسَنُیَسِّرُہُ لِلْیُسْرَی" [سورۃ اللیل، آیت:۷] (تو ہم بھی اسکی تنگی ومشکل کے

سامان میسر کردیں گے)، اسی سے یسیر و میسور آسانی کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا". [سورۃ الاسراء، آیت: ۲۸] (تو بھی تجھے چاہیے کہ عمدگی اور نرمی سے انہیں سمجھادے)، اور یسیر شی قلیل کو کہا جاتا ہے، میسرۃ اور یسار مالداری کے معنی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسِرَةٍ" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۰] (تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے)، یسار (بایاں) یمین کی ضد ہے (دایاں)۔

ابن فارس کے نزدیک

ابن فارس نے مقاییس اللغۃ میں یسر کے بارے میں کہا کہ: ''یا''، اور ''را'' دو ایسے اصل ہیں جن میں سے ایک کسی شیئ کے کھلنے اور اس کی آسانی پر دلالت کرتا ہے، دوسرا انسانی اعضاء میں سے ایک عضو پر دلالت کرتا ہے، پہلے کی مثال یسر ہے جو عسر (تنگی) کی ضد ہے اور دوسرا یسار ہے (بایاں ہاتھ کے معنی میں)۔

ابن منظور کے نزدیک

امام ابن منظور نے کہا کہ: یسر کہتے ہیں نرمی اور تابعداری کو اور یہ انسان کے لیے بھی ہوتا ہے اور گھوڑے کے لیے بھی کہا جاتا ہے، ویاسرہ، یعنی (اس نے اس کے ساتھ آسانی کی)، اور یسر (آسانی) عسر (تنگی) کی ضد ہے، ان کا مقصود نرم، آسان، اور بہت کم سختی کرنے والا ہے، اور حدیث شریف میں ہے: "یسّروا ولا تعسّروا"، (آسانی پیدا کرو دشواری اور تنگی میں نہ ڈالو)، حدیث میں ہے: "تیاسروا فی الصداق" (مہر میں آسانی پیدا کرو اور اس کی قیمت حد سے زیادہ مت بڑھاؤ)۔

سمین حلبی کے نزدیک

عمدۃ الحفاظ میں ہے: یسر آسانی کو کہتے ہیں جو عسر (تنگی) کی ضد ہے اور اسی

سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ" [سورۃ قمر، آیت: ۱۷] (اور بیشک ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے) اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی شخص بھی قرآن کریم کو اپنے سینے میں محفوظ نہیں کر سکتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ پہلوں کی کتابیں سینوں میں محفوظ نہیں کی جاتی تھیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام جو ان سے کہیں زیادہ عظیم ہے اگر وہ آسان نہ کیا گیا ہوتا تو نہ سمجھنا آسان ہوتا، نہ پڑھنا آسان ہوتا، اور نہ ہی یاد کرنا آسان ہو سکتا تھا، لیکن اللہ عزوجل نے یہ سب آسان فرما دیں۔

یسیر معمولی شی کو بھی کہتے ہیں۔

یسر کے معنی کا خلاصہ

یسر کے معنی سے متعلق گزشتہ اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یسر لغت میں عسر کی ضد ہے اور اس سے مراد آسانی بھی ہے، شی قلیل بھی ہے، کشادگی بھی ہے، مالداری بھی ہے اور معمولی شی بھی ہے، تیار ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے، آسانی اور نرمی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

یسر قرآنی اصطلاح میں

یسر ایک ایسے عمل کو کہتے ہیں جو نہ نفس کو تھکاتا ہے اور نہ جسم کو بوجھل کرتا ہے بلکہ وہ کسی شی کا بغیر کسی کلفت و پریشانی کے حاصل ہونے کا نام ہے۔

اس موقع پر یسیر، قلیل، غنی، جدہ اور یسار کے مابین فرق کا واضح کر دینا مفید و مناسب معلوم ہوتا ہے۔

صاحب فروق یسیر اور قلیل کے درمیان فرق کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

قلیل قلت تعداد کی کمی کا متقاضی ہوتی ہے، کہا جاتا ہے قوم قلیل وقلیلون

(تھوڑی قوم)۔اور قرآن کریم میں ہے:"شِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ"، "إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ" اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی تعداد دوسروں کی تعداد سے کم ہے اور یہ کثرت کی ضد ہے اور کثرت تعداد کی زیادتی ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کے علاوہ معنی میں بطور استعارہ اور تشبیہ استعمال ہوتا ہے۔

یسیر ان چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کا طلب کرنا اور حاصل کرنا آسان ہوتا ہے اور یہ قلیل کی طرح تعداد کی کمی کا تقاضہ نہیں کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عدد قلیل کہا جاتا ہے اور عدد یسیر نہیں کہا جاتا، لیکن مال یسیر کہا جاتا، اس لیے کہ مال یسیر جیسا جمع کرنا آسان ہوتا ہے، اگر یسیر کا استعمال قلیل کی جگہ ہوتا تو اسم شیٔ کا اطلاق اس کے علاوہ کے لیے بھی ہوتا جب اس کے قریب ہو۔

ابو ہلال غنی، جدہ اور یسار کے مابین فرق کو واضح فرماتے ہیں:

جدة صرف کثرت مال کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے رجل واجد یعنی (کثیر مال والا آدمی)، اور غنی کا اطلاق مال پر بھی ہوتا ہے، طاقت وقوت پر بھی ہوتا ہے اور ہر اس شیٔ پر ہوتا ہے جو ضرورت وحاجت کے منافی ہو۔ غنی یغنی و استغنی مالداری طلب کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، نیز اس کا استعمال کثرت سے ہونے لگا حتی کہ غنی (مالدار ہونا) کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اور غِنَاء، نفس کو مالداری کی طرح لطف اندوز کرتا ہے، اور أغانی منازل کو کہتے ہیں کیونکہ ان میں اترنے کے بعد انسان بے نیاز ہو جاتا ہے، غانیة بچی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے حسن وجمال کی وجہ سے زیب وزینت سے بے نیاز ہوتی ہے۔

یسار مال کے اس تعداد کو کہتے ہیں جس سے معاش کی طلب آسان ہو جائے، یسار کا اطلاق کثرت مال کے لیے بھی ہوتا ہے، عربی میں کہا جاتا ہے فلان تاجر موسر، ملك موسر نہیں کہا جاتا کیونکہ تاجر خواہ جتنا زیادہ مال کا مالک ہو وہ بادشاہ کی ملکیت سے کم ہوتا ہے۔

یسر کے معنی سے قریب تر قرآنی کلمات

قرآن کریم میں کچھ ایسے الفاظ وکلمات ہیں جو یسر کے معنی میں شامل ہیں اور وہ یہ ہیں:

رفع الحرج، تخفيف، وسع، هون، نقي الجناح، وضع الأصر ،ان سب کی تفصیل درج ذیل ہے:

رفع کا لغوی معنی: ابن فارس رفع کے معنی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ را، فا، اور عین ایک ایسی اصل ہے جو پست کی ضد پر دلالت کرتی ہے، تم کہتے ہو، رفعت الشيء رفعاً (میں اس شی کو خوب بلند کردیا) یہ پست کی ضد ہے، مرفوع الناقة في سيرها موضوع کی ضد ہے۔ (اونٹنی اپنی چال میں تیز ہے، سست نہیں ہے)۔

شیخ سمین حلبی نے کہا کہ: رفع کا معنی زائل کرنا ہے، دور کرنا ہے۔

ابن فارس کہتے ہیں: حا، جیم، را، ایک ہی اصل ہے۔

اسی سے حرج ہے حرجة کی جمع ہے۔

اسی سے حرج گناہ کے معنی میں ہے، حرج وتنگی کے معنی میں ہے۔

امام اصبہانی نے کہا:

تنگی کے لیے ہی حرج استعمال ہوتا ہے، اور گناہ کے معنی میں بھی آتا ہے، ارشاد ربانی ہے:"وما جعل عليكم في الدين من حرج" [سورۃ الحج، آیت:۷۸]۔

شیخ سمین حلبی نے کہا: حـــرج گناہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے:"لیس علی الأعمیٰ حرج" [سورۃ النور، آیت:۶۱] إثم (اندھے پر کوئی گناہ نہیں ہے) اس کا بھی احتمال ہے کہ اندھوں کو ان چیزوں کا مکلّف نہیں بنایا جن کے دوسرے لوگ مکلّف ہیں، ان کے خاص اعذار کی وجہ سے تنگی میں نہیں ڈالا گیا۔

مادہ "رفع" و"حرج" کی سابقہ تعریفات کی بنیاد پر ہم رفع حرج کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کر سکتے ہیں:

رفع الحرج: تنگی و گناہ کو زائل کرنا، آسانی، کشادگی اور سہولت کے ارادہ کا نام ہے۔

کلمۂ حـــــرج قرآن کریم میں دونوں صیغوں کے ساتھ پندرہ بار آیا ہے، مدنی سورتوں میں تیرہ (۱۳) بار اور مکی سورتوں میں دو بار۔

قرآن مجید میں کلمۂ حـــــرج تشریعی حکم کے لیے آیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَی الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ وَأَیْدِیَکُمْ إِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ وَأَرْجُلِکُمْ إِلَی الْکَعْبَیْنِ وَإِنْ کُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا وَإِنْ کُنْتُمْ مَّرْضَیٰ أَوْ عَلَیٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْکُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْداً طَیِّباً فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِکُمْ وَأَیْدِیْکُم مِّنْهُ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُم مِّنْ حَرَجٍ وَلٰکِن یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ" [المائدۃ:۶] ترجمہ: (اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منھ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو، اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو، ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرو، اسے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لو، اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو)۔

یہ آیت اس شخص کے لیے وضو اور طہارت کی فرضیت پر دلالت کر رہی ہے جسے غسل جنابت لاحق ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے زخمیوں، مریضوں اور مسافروں کے لیے رخصت بتا رہی ہے کہ اگر وہ حالت جنابت میں ہوں اور پانی نہ پائیں تو تیمم کر لیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد "مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ" (اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا)، امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں آسانی فرما دی ہے اور دشواری پیدا نہیں کی، بلکہ بیماری اور پانی موجود نہ ہونے کے وقت تمہارے لیے تیمم کو مباح قرار دیا، تمہارے حق میں وسعت پیدا کرتے ہوئے اور تم پر رحم وکرم کا معاملہ کرتے ہوئے اور تیمم کو اس کے حق میں جو نماز شروع کرنا چاہے، پانی کے قائم مقام کر دیا۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: "وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيداً عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ" [سورۃ الحج، آیت: ۷۸] ترجمہ: (اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے، اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، دین تمہارے باپ ابراہیم کا (قائم رکھو)، اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائیں اور تم تمام لوگوں کے لیے گواہ بن جاؤ، تو تمہیں چاہیے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمہارا ولی اور مالک ہے، تو کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے)۔

کلمۂ حرج اس آیت میں جہاد کے حکم اور سیاق میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں میں سے اس امت محمدیہ کو منتخب فرمایا اور اسے فضیلت دی، شرف بخشا، سب سے معزز

رسول اور کامل شریعت سے سرفراز کیا پھر فرمایا: "وما جعل علیکم في الدین من حرج" (تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی) اور تمہیں نہ تو تکلیف مالایطاق کا مکلّف بنایا اور نہ تم پر شاق گزرنے والی چیز کا پابند بنایا، مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشادگی اور مخرج پیدا کر دی۔

کلمۂ حرج تنگی کے معنی میں بھی آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "لَیْسَ عَلَی الْأَعْمَیٰ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَاعَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَن یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَاباً اَلِیْماً" [سورۃ الفتح، آیت: ۱۷] ترجمہ: (اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے، جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے، اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو منھ پھیر لے، اسے دردناک عذاب (کی سزا) دے گا)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اندھوں، لنگڑوں اور مریضوں سے تنگی و حرج کو دور کر دیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اگر ایسا نہ کرتا تو ان کے حق میں تنگی ہوتی اور وہ اس فعل پر قدرت نہیں رکھتے، تو اس صورت میں ان کے حق میں تنگی و دشواری ہوتی اور یہ اسلامی شریعت کے منافی ہوتا جس کی بنیاد ہی آسانی پر ہے، لہٰذا اس رخصت کا پایا جانا ان سے رفع حرج اور ان کے حق میں سہولت و آسانی کے حکم کے مناسب ہو گیا، اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رفع حرج سہولت، تنگی و دشواری کے ازالہ کے معنی اور اس آسانی کے معنی میں آیا ہے جس کی تعریف پہلے گزر چکی۔

تخفیف

ابن فارس کہتے ہیں کہ ''خا'' و ''فا'' ایک ہی اصل ہے اور وہ ایسی چیز ہے جو ثقل اور وقار کی ضد ہے، کہا جاتا ہے: خفّ الشيء يخفّ خفة وهو خفيف۔

امام راغب کہتے ہیں کہ خفیف ثقیل کے مقابلہ میں ہے اور یہ کبھی وزن کی نسبت سے کہا جاتا ہے اور دو چیزوں میں سے ایک کا دوسرے سے اندازہ کرنے کے لیے آتا ہے جیسے درهم خفيف و درهم ثقيل، اور خفیف کہا جاتا ہے جسے لوگ اچھا سمجھتے ہیں، لہٰذا خفیف مدح ہوتا ہے اور ثقیل ذم، اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ" [سورۃ الانفال، آیت:٦٦] ترجمہ: (اچھا اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے)۔

کلمۂ تخفیف اپنے مختلف صیغوں کے ساتھ قرآن کریم میں (۵۱) اکاون بار وارد ہوا ہے، قرآنی سیاق میں ثقیل کی ضد خفة کے معنی میں آیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: "مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ" [سورۃ الاعراف، آیت:۹] ترجمہ: (اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے)۔

امام طبری نے کہا کہ جن لوگوں کے اعمال صالحہ کا پلہ ہلکا ہوگا اور توحید، طاعت وبندگی کے ذریعہ وزنی نہیں ہوگا یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اجر وثواب میں سے اپنے حصوں کا نقصان کرلیا۔

اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں اور حجتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ"[سورۃ البقرۃ، آیت:۱۷۸] ترجمہ: (اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے، ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دیدی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے، تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے، اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا)۔

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اللہ نے تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے، ہاں جب کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے، اس مقتول کے ورثہ قصاص سے تنازل اختیار کر کے دیت قبول کرنے پر رضامند ہو جائیں تو قاتل کے ذمہ ہے کہ دیت کو اچھی طرح ادا کرے، یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مقتول کے اولیاء کو قصاص سے تنازل اختیار کر کے دیت قبول کرنے کی اجازت دی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کے حق میں تخفیف ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں پر اس کو آسان کر دیا ہے، جو امم سابقہ پر ثقیل تھا، ان کے لیے دیت مباح نہیں تھی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ الْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" [سورۃ الانفال، آیت:۶۵-۶۶] (اے نبی! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ، اگر تم میں بیس بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے، اس واسطے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں، اچھا اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا

کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتواں ہے پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ان دونوں آیتوں میں اپنے نبی کو حکم دے رہا ہے کہ وہ مومنوں کو جہاد کا شوق دلائیں، اگر تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے ہوں دشمنوں سے جنگ کرتے وقت اور ثواب کی نیت کریں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں تو وہ دو سو دشمنوں پر غالب آجائیں گے اور انہیں مغلوب و مقہور کر دیں گے، اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں تو دشمنوں میں سے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، اس واسطے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے، اس لیے مشرکین ایسی قوم ہیں جو بغیر کسی امید اور بغیر اجر وثواب کے قتال کرتے ہیں، اسی وجہ سے وہ ثابت قدم نہیں رہتے، دوسری آیت پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے۔

پہلی آیت میں مومنوں سے کفار کے سامنے ثابت قدم رہنے کا مطالبہ کیا ہے، ایک مومن دس کافروں کے سامنے ثابت قدم رہیں، مگر دوسری آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور اس میں تخفیف کر دی اور مطالبہ کیا کہ ایک مومن دو دشمنوں کے سامنے ثابت قدم رہیں۔

ابن عباسؓ نے دونوں آیتوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ایک مومن کو اس وقت دس کے مقابلہ میں اور دس کو سو کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا جب مسلمان تعداد میں کم تھے، جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور حکم دیا کہ ایک دو کے مقابلہ میں جمے رہیں اور دس بیس کے مقابلہ میں اور ایک سو دو سو کے مقابلہ میں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ

ضَعِيفاً" [سورۃ النساء، آیت:۲۸] (اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کردے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے)، لہٰذا تخفیف اس کی نفسیاتی کمزوری عزم وارادہ اور ہمت کی کمزوری کے مناسب ہوگئی۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آسانی ان سے تنگی کو دور کرنے اور ان پر رحم کے ارادہ سے شرعی ثقیل احکام میں ان کے لیے تخفیف کردی ہے۔

الوسع - وسعت

ابن فارس فرماتے ہیں کہ "واو"، "سین" اور "عین" ایسے کلمات ہیں جو تنگی ودشواری کی ضد پر دلالت کرتے ہیں، کہا جاتا ہے وسع الشيء واتسع، شی وسیع ہوگئی اور وسع غنی کے (مالداری) معنی میں ہیں آتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: واللّٰه الواسع-أي الغني۔

کلمۂ وسع قرآن کریم میں مختلف صیغوں میں (۳۲) بتیس بار آیا ہے، مقام کے مناسب معنی میں پانچ آیتوں میں آیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْراً كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ" [سورۃ البقرۃ، آیت:۲۸۶] ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لیے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں

کی قوم پر غلبہ عطا فرما)۔

علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وسع کہتے ہیں جو انسان کے بس میں ہو اور اس پر دشوار نہ ہو اور نہ وہ اس میں حرج محسوس کرتا ہو، اللہ تعالیٰ اسکے لیے آسان اور اس کی طاقت میں ہی مکلّف بناتا ہے، اور یہ اس کے عدل و رحمت کی خبر دینا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قول میں ارشاد فرماتا ہے: "يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۵] ترجمہ: (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے) اس لیے کہ انسان کے بس و قدرت میں تھا کہ پانچ اوقات سے زیادہ کی نمازیں پڑھے اور ایک مہینہ سے زیادہ روزہ رکھے۔

یہ معنی امام ابن کثیر کی تفسیر کے بالکل موافق ہے، آپ نے "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" کی تفسیر میں فرمایا کہ جو نیکی کرے وہ اس کے لیے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے، اور یہ ان اعمال کے متعلق ہے جو تکلیف میں داخل ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود سے مانگنے اور سوال کرنے کی طرح رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا اور خود ہی اسکا جواب بھی دیا کہ وہ کہیں کہ اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، یعنی اگر ہم نے بھول کر کوئی فرض ترک کر دیا ہو یا کوئی حرام فعل کر لیا یا شرعی حکم نہ جاننے کی وجہ سے ہم نے صحیح عمل میں غلطی کی ہو تو ہمارا مواخذہ نہ کرنا: "رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا" (اے ہمارے رب! ہمیں دشوار اعمال کا مکلّف نہ بنانا (اگرچہ ہم اس کی استطاعت رکھتے ہوں) جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلی امتوں کو بوجھ اور بیڑیوں کا مکلّف بنایا)، آپ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی رحمت بنا کر بھیجا ہے ایسے دین و شریعت کے ساتھ جو سہل ہے، آسان ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ" (ہمیں ان احکام کا مکلّف نہ بنا جو ہمارے بس میں نہ ہو اور نہ ہی ایسی مصیبتوں و آزمائشوں میں ڈال

جن کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "وَاعْفُ عَنَّا" (ہم سے ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما)، "وَاغْفِرْ لَنَا" (ہمارے اور اپنے بندوں کے مابین معاملات میں ہماری مغفرت فرما)، لہٰذا تم ان کے سامنے ان کو ہمارے برے اعمال اور ہمارے گناہوں سے واقف مت کر، "وَارْحَمْنَا" (مستقبل میں ہمارے اوپر رحم فرما)، لہٰذا تو اپنی توفیق سے ہمیں کسی دوسرے گناہ میں مبتلا مت کر، آپ ہی ہمارے آقا ہیں، مولیٰ ہیں، کارساز ہیں، لہٰذا کافر قوم پر ہماری مدد فرما اور ان لوگوں کے خلاف ہماری مدد فرما جنہوں نے آپ کے دین کا انکار کیا اور آپ کی وحدانیت کے منکر ہو گئے اور آپ کے علاوہ کی عبادت کی، تو ان تمام پر ہماری مدد فرما اور ان کے خلاف دنیا و آخرت دونوں جگہوں میں ہماری عاقبت کو بہتر بنا۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: "وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا أُوْلٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۴۲] (اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کسی چیز کا مکلّف نہیں بناتے، وہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ وہی مؤمنین ہیں جنہوں نے اچھے اعمال کیے، اللہ تعالیٰ ان کی قدرت سے زیادہ کا ان کو مکلّف نہیں بناتا اور وہ جنت والے ہیں، کفار کے علاوہ اور وہ جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اس سے نکالے نہیں جائیں گے اور نہ جنت کی نعمتیں ان سے چھینی جائیں گی۔

کلمۂ وسع کی اس مختصر تفصیل کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تنگی کو دور کرنے اور انسان کو اس کی قدرت کے مطابق مکلّف بنانے کے معنیٰ میں بھی آیا ہے، اس لیے جب انسان کی طاقت و قدرت سے اس کو زیادہ کا مکلّف بنایا جائے گا تو اس میں تنگی ہوگی، سختی ہوگی اور مکلّف کے حق میں زیادتی ہوگی، یہ معنیٰ اس آسانی کے موافق ہے جو لوگوں سے تنگی

ودشواری کو دور کرنے کے لیے ہے اور اس لیے ہے کہ وہ ایک آسان اور سہل زندگی احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہوئے آسانی کے ساتھ گزاریں۔

هَون

امام راغب فرماتے ہیں کہ هوان، ذلت دو طرح سے ہوتی ہے، ایک تو یہ ہے کہ انسان خود اپنے اندر عاجزی وفروتنی اختیار کرے جس کی وجہ سے اسے کوئی نقصان لاحق نہ ہو تو اسکی تعریف کی جاتی ہے، جیسے: "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً" [سورة الفرقان، آیت:۶۳] (رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں)، دوسری کسی ایسے شخص کی طرف سے جو اس کا مذاق اڑاتا ہے تو اسکی مذمت کی جاتی ہے، جیسے: "وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" [سورة البقرة، آیت:۹۰] (اوران کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے)۔

اور کہا جاتا ہے: "هان الأمر علىٰ فلان" (فلاں پر معاملہ آسان ہو گیا)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ" [سورة الروم، آیت:۲۷] (اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے)۔

ابوالقہار کفوی فرماتے ہیں: ہون بفتح الہاء نرمی اور مہربانی کے معنی میں ہے۔

امام رازی کا کہنا ہے: هون هان عليه الشيء کا مصدر ہے، يهون: ہلکا ہونا، آسان ہونا، کہا جاتا ہے: هَوَّنَ اللّٰـهُ عَلَيْهِ (اللہ تعالیٰ اس کو اس پر خوب آسان کر دیا)، شيء هين، آسان شی، وهين: ہلکا، وقوم هُنُو: لينون یعنی نرم دل لوگ۔

کلمہ هون اپنے مختلف صیغوں کے ساتھ قرآن کریم میں ۲۶ بار آیا ہے، کافروں اور مشرکوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ ایک سے زیادہ جگہ آیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: "وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا فَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ"

[سورۃ الحج، آیت: ۵۷] ترجمہ: (اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کے لیے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں)۔

اور سہولت کے معنی میں بھی ایک سے زائد جگہوں میں آیا ہے اور یہی وہ معنی جو مقام کے مناسب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: "قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ وَهُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئاً" [سورۃ مریم، آیت: ۹] (ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا، تیرے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جب کہ کچھ نہیں تھا، میں تجھے پیدا کر چکا ہوں)۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: تم سے اور تمہاری اس بیوی سے لڑکا پیدا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے سوال سے بھی زیادہ تعجب خیز امر کا ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا: میں تمہیں پہلے پیدا کر چکا ہوں حالانکہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔

میں مزید وضاحت کے لیے امام طبری کا کلام اس ضمن میں پیش کرتا ہوں: "اللہ تعالیٰ نے زکریاؑ سے کہا کہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے کہا کہ تمہاری بیوی بانجھ ہے اور تم بڑھاپے کو پہونچ چکے ہو، لیکن میرے لیے بچی کا پیدا کرنا حالانکہ تم اور تمہاری بیوی بہت بوڑھے ہو چکے ہو بہت آسان ہے"۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: "وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" [سورۃ الروم، آیت: ۲۷] (وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے، اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا، حکمت والا ہے)۔

امام طبری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی جو مخلوق بغیر کسی اصل کے اول بار پیدا کرتا ہے پھر اسے فنا کر دے گا، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا جیسا کہ پہلی بار کیا اور اس کا دوبارہ

پیدا کرنا اس کے لیے بہت آسان ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں یہ کلمہ آسانی کے معنی میں آیا ہے اور مخلوق کا دوبارہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول: "وَلَهُ الْمَثَلُ الأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" (اسکی بہترین واعلیٰ صفت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی غلبے والا، حکمت والا ہے)، اور وہی تنہا معبود ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، اس کے مثل کوئی شی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے اپنے انتقام میں زبردست طاقت وقوت والا ہے، اپنے مخلوق کی تدبیر میں حکیم ہے۔

اور ابوالغفار لغوی نے کہا کہ أهون کا معنی أيسر و أسهل ہے یعنی بہت سہل وآسان۔

اس طرح ہم پاتے ہیں کہ کلمۂ هون یہاں ان آیات میں سہولت وآسانی کے معنی میں آیا ہے اور یہی یسر کے معنیٰ کی تفصیل وبیان ہے، لہٰذا کلمۂ هون کلمۂ یسر کے قریبی کلمات میں سے ہے۔

نفي الجناح

نفی الجناح ایک مرکب اضافی ہے جو دو کلموں سے بنا ہے: (۱) نفی و (۲) جناح، اس کے معنیٰ سمجھنا اس کے دونوں جزء کی وضاحت پر موقوف ہے۔

النفي في اللغة: ابن فارس نفی کے معنی سے متعلق فرماتے ہیں کہ "نون"، "فاء" اور "ی"، مثل ایک ایسی اصل ہیں جو کسی شی کو کسی شی سے خالی کرنے اور دور کرنے کے معنی پر دلالت کرتی ہے، کہا جاتا ہے، نفيت الشيء نفياً (میں نے شے کو دور کر دیا) اور نفی الریح اس مٹی کو کہتے ہیں جسے ہوا دور کر دیتی ہے حتی وہ دیواروں کی جڑ میں جمع ہو جاتی ہے۔

الجناح في اللغة: ابن فارس کا کہنا ہے کہ "جیم"، "نون" اور "حاء" ایک ایسی اصل ہیں جو میلان وزیادتی کے معنی پر دلالت کرتی ہے، کہا جاتا ہے: جنح الی کذا (اسکی طرف مائل ہو گیا) جناحان (دونوں پر بازو) کو اس لیے جناحان کہتے ہیں کہ وہ دونوں

جانب مائل ہوتے ہیں، جھکے ہوتے ہیں، الجناح کو گناہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حق کے راستہ سے پھرا ہوا ہوتا ہے۔

ابوالبقاء لغوی کہتے ہیں کہ آیت میں "فلاجناح" کا معنیٰ ہے: کوئی حرج نہیں ہے۔ اس بناء پر نفی الجناح کا معنی لغت میں گناہ وحرج کو دور کرنا ہوگا اور حرج جیسا کہ میں نے واضح کر دیا کہ تنگی و گناہ کو کہا جاتا ہے، لہٰذا مقام کے مناسب معنی ہوگا: گناہ و تنگی کو دور کرنا اور آسانی کا ارادہ کرنا۔

کلمہ "جناح" قرآن کریم میں تمام جگہوں میں نفی کے ساتھ آیا ہے اور کلمہ "جنح" اپنے مختلف صیغوں کے ساتھ قرآن کریم میں (۳۴) بار آیا ہے، کسی شیٔ کی طرف سے مائل ہونے کے معنی میں آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: "وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" [سورۃ الانفال، آیت: ۶۱] (اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ، یقیناً وہ بہت سننے، جاننے والا ہے۔

اور تنگی و گناہ کو دور کرنے کے معنی آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا" [سورۃ الاحزاب، آیت: ؟؟؟؟] (لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ، اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے، اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو، اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا، مہربان ہے)۔

امام طبری اس آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تم اپنے لے پالکوں کو۔ جن کا نسب تم

نے اپنے سے ملالیا ہے۔ ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو: "هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ" ان لوگوں کی ان کے باپوں کی طرف نسبت اور ان کا ان کے (حقیقی) باپوں کے نام سے پکارنا ہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف، زیادہ سچی اور زیادہ درست ہے اس بات سے کہ ان کی نسبت تمہاری طرف ہو۔

"فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ" (اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے ہو کہ تم ان کو ان کی طرف منسوب کرو تو تم ان کو اپنی طرف منسوب مت کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے ہی طرف مسلمان ہیں، وہ تمہارے دوست ہیں اور تمہارے تابع ہیں، تمہارے (حقیقی) اولاد نہیں ہیں، "وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ" اگر تم کسی آدمی کو غلطی سے اس کے حقیقی باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کرو ناواقفیت کی وجہ سے تو نہ تمہارے لیے کوئی حرج ہے اور نہ تم پر کوئی گناہ ہے، اس لیے تم اس کو اس کا باپ سمجھتے ہو، لیکن گناہ اس شخص پر ہے جو قصداً لڑکے کو اس کے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف منسوب کرے، "وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا" اللہ تعالیٰ خوب معاف کرنے والا ہے، اپنے نافرمانوں کی ستاری کرتا ہے، پر جب وہ توبہ کر لیتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اس پر خوب خوب رحم فرماتا ہے، لہٰذا اس کی توبہ کے بعد اس کو سزا نہیں دیتا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے گناہ و حرج کو دور کر دیا جس نے غلطی سے کسی آدمی کو اسکے باپ کے علاوہ کیطرف منسوب کر دیا، لیکن اگر کوئی قصداً ایسا کرتا ہے تو اس پر گناہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو عمداً و خطأً کرنے والوں میں فرق کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر رحم کرنا ہے، کیونکہ محاسبہ میں دونوں میں فرق نہ ہوتا تو اس میں خطا و سہواً اس فعل کو کرنے والے کے حق میں زیادتی و تنگی ہوتی لیکن شریعت کی بنیاد سہولت و آسانی اور رفع حرج پر ہے، اس آیت میں بھی ہم یسر کا معنی واضح طور پر پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں

کی آسانی کے لیے اس فعل کو سہواً اور خطاً کرنے والوں کو معاف فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا" [سورۃ النساء، آیت:۱۰۱] ترجمہ: (جب تم سفر میں جارہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے، یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں)۔

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ جب تم سفر کرو تو تمہارے لیے نمازوں کی تعداد میں قصر کرنے میں کوئی حرج یا گناہ نہیں ہے، لہٰذا تم حضر میں چار رکعت پڑھو اور سفر میں دو رکعت پڑھو یا نماز کے ارکان وحدود میں قصر کرو۔ "إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا" (اگر تمہیں کافروں کی فتنہ پردازی سے اندیشہ ہو اور تم حالت نماز میں ہو) مسلمانوں کے حق میں کافروں کا فتنہ یہ تھا کہ وہ حالت نماز میں مسلمانوں پر حملہ کردیتے: "إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا" (کافر تمہارے دشمن ہیں) اور انہوں نے تم سے اپنی عداوت ودشمنی کو ظاہر ہی کردیا ہے جس وقت انہوں نے تمہارے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت میں آسانی اور گناہ کی نفی قصر صلاۃ میں آتی ہے۔

وضع الإصر

وضع الإصر ایک ایسا مرکب اضافی ہے جو دو کلموں سے بنا ہے، وضع، الإصر، اس کے معنی کا سمجھنا اس کے دونوں جزء کی وضاحت پر موقوف ہے، ابن فارس وضع کے معنی کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ "واو"، "ضاد"، اور "عین" ایک ایسی اصل ہے جو کسی شی کے پست کرنے اور گرانے کے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے۔

شیخ سمین حلبی کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ" (ہم نے تم سے تمہارے بوجھ کو دور کر دیا) کہا جاتا ہے: "وضع الأمير عن قومه كذا" (امیر نے اپنی قوم سے اس کو ساقط کر دیا)۔

اور کلمۂ "الإصر" کے معنی کے بارے میں کہتے ہیں کہ اصر بوجھ کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ" [سورۃ الاعراف، آیت: ۱۵۷] ترجمہ: (اور ان قوموں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں) یعنی وہ بوجھ جس کے وہ مکلّف بنائے گئے تھے یعنی ان کے ہاتھوں یا کپڑوں میں نجاست لگ جاتی تھی تو وہ اسے کاٹ دیتے تھے، اسی طرح وہ امور تھے جو انہیں خیر سے روکتے تھے۔

ابوالبقاء "کلیات" میں رقمطراز ہیں کہ إصر ہر اس بوجھ کو کہتے ہیں جس کا اٹھانا آسان نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۶] (اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو) یعنی ایسے گناہوں کی سزا نہ دے جو ہم پر شاق ہو۔

اور انہوں نے "إصر" کے معنی کے سلسلہ میں فرمایا: وہ بوجھ جو صاحب بوجھ کو اس کی جگہ روک دے اور اس سے مراد ایسے احکام شرعیہ ہیں جو نفس پر شاق ہوں۔

اس بناء پر وضع الإصر کا لغت میں معنی ہوگا: اس بھاری بوجھ کو ساقط کر دینا جو صاحب بوجھ کو روک دے یا ایسے احکام شرعیہ جو نفس پر شاق ہوں اور مکلّف اس کے کرنے پر قادر نہ ہو، کلمۂ اصر اپنے مختلف صیغوں کے ساتھ پورے قرآن میں ۱۳ر بار آیا ہے اور مقام کے مناسب اس معنی میں دو آیتوں میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا

وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ".

اس آیت کا معنی وتفسیر کلمۂ وسع کی ضمن میں گزر چکی ہے، آیت میں موجود کلمہ اصر کے بارے میں علامہ زمخشری فرماتے ہیں: وہ بوجھ جو صاحب بوجھ کو اس کی جگہ روک دے اور وزن کی زیادتی کی وجہ سے اس کو مستقل کھڑا نہ ہونے دے، اور یہ نفس پر شاق حکم کے لیے استعارۃً استعمال کیا گیا ہے، جیسے نفس کا قتل، اور نجاست کی جگہ کو کھال اور کپڑے وغیرہ کو کاٹنا۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول: "اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهِ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوْا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" [سورۃ الاعراف، آیت: ۱۵۷] (جو لوگ ایسے نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

یہ آیت بتا رہی ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس نبی امی کی خبر ان کے نبیوں حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ کے زمانہ میں پہلے آچکی ہے تو وہ وہی نبی امی ہیں اور وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور انکے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں، اور

اس نبی کے متبعین اپنے رب سے تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جولوگ اس نبی امی پر ایمان لائے اور انکی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور انکی مدد کرتے ہیں اور اس ہادی نور کی اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ ہو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

امام ابن کثیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ" یعنی وہ آسانی وسہولت کو لے کر آئے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میں آسان شریعت دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں: وضع الإصر ،آیتوں میں آسانی اور ان احکام کو ساقط کرنے کے معنی میں آیا جو بنی اسرائیل پر شاق تھے، اسلام آسان اور سہل احکام لے کر آیا اور تکالیف شاقہ کو لوگوں سے ساقط کر دیا اور ان کے لیے ان میں آسانی پیدا کر دی۔

قرآن کریم میں کلمۂ یسر کے اشتقاقات اور گردانیں:

کلمۂ یسر قرآن کریم میں اپنے مختلف صیغوں کے ساتھ ۴۴ بار آیا ہے اور اس کی ۹ گردانیں آئی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) فعل ماضی ،(۲) فعل مضارع، (۳) فعل امر، (۴) مصدر، (۵) صفت مشبہ، (۶) اسم تفضیل، (۷) اسم مفعول، (۸) اسم زمان، (۹) اسم مکان۔

قرآن کریم میں فعل ماضی کے صیغے کے درج ذیل حالات وارد ہوئے ہیں:

(۱) یسّرنا، (۲) یسّرناہ، (۳) یسّرھم، (۴) استیسر، (۵) تیسّر.

فعل ماضی کے صیغوں کے آیات:

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ" [سورۃ القمر، آیت: ۱۷]

(۲) قال اللّٰہ تعالیٰ: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ من مُّدَّكِرٍ" [سورۃ القمر، آیت: ۲۲]

(۳) قال اللّٰہ تعالیٰ "وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ من مُّدَّکِرٍ" [سورۃ القمر، آیت:۳۲]

(۴) قال اللّٰہ تعالیٰ:"وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ من مُّدَّکِرٍ" [سورۃ القمر، آیت:۴۰]

مذکورہ چار جگہوں میں "یسّرنا" سہولت اور آسانی کے معنی میں آیا ہے، امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''ہم نے قرآن کریم کو حفظ کے لیے آسان کر دیا ہے اور ہم نے اس کے حفظ کا ارادہ رکھنے والوں کی مدد کی ہے، ہم نے اسے نصیحت حاصل کرنے کے لیے تیار کر دیا ہے، تو کیا ہے کوئی اس کی نصیحتوں سے نصیحت حاصل کرنے والا اور اس کی عبرتوں سے عبرت حاصل کرنے والا، اس آیت کے اندر قرآن پڑھنے، کثرت سے اس کی تلاوت کرنے اور اس کے سیکھنے میں جلدی کرنے پر ابھارا گیا ہے''۔

(۵) قال تعالیٰ: "إِنَّمَا یَسَّرْنَاہُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْماً لُّدّاً" [سورۃ مریم، آیت:۹۷] (ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت آسان کر دیا ہے کہ تو اس کے ذریعہ سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا دے) یہاں بھی سہولت اور آسانی کے معنی میں آیا ہے۔

امام شوکانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: پس ہم نے اس کو تمہاری زبان میں نازل کر کے آسان کر دیا ہے اور اسکی تفصیل کر دی ہے اور اس کو آسان کر دیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ سے تقویٰ سے متصف لوگوں کو خوشخبری سنائے اور ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے اس پر ظلم کیا ہے۔

(۶) قال تعالیٰ: "فَإِنَّمَا یَسَّرْنَاہُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ" [سورۃ الدخان، آیت:۵۸] (ہم نے اس کو (قرآن) تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں)۔

یہاں بھی آسانی وسہولت کے معنی میں آیا ہے، امام طبری اس آیت کی تفسیر میں

ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرمارہا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان کے ذریعہ آسان کردیا اور اس کا پڑھنا بھی تمہاری زبان کے ذریعہ آسان کردیا تا کہ تمہاری کافر قوم اس کی آیتوں سے عبرتوں اور نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے۔

(۷) قال تعالی: "ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ" [سورۃ عبس، آیت:۲۰] (پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا) امام طبری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کے لیے راستہ آسان کیا اور وہ اس کے ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے، راستہ رحم ہی ہے مادر رحم کو اس کے لیے آسان کردیا تا کہ وہ اس سے نکلے، مادر رحم کو اسکے نکلنے کے لیے آسان کردیا۔

(۸-۹) قال اللّٰہ تعالیٰ: " إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنْ لَّنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّأَعْظَمَ أَجْراً وَّاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" [سورۃ المزمل، آیت:۲۰] (آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتی ہے اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کو ہے وہ (خوب) جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نبھا نہ سکو گے، پس اسی نے تم پر مہربانی کی، لہٰذا جتنا قرآن تمہارے لیے پڑھنا آسان ہو اتنا ہی پڑھو، وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے، بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا (یعنی روزی بھی) فضل تلاش کریں گے اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے، سو تم بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے یہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں

بہت زیادہ پاؤ گے، اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)۔

"فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" امام شوکانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم رات کی نماز میں بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو۔ (۲)

(۱۰-۱۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ بِهِ أَذىً مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ" [سورۃ البقرۃ، آیت:۱۹۶] (حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو، ہاں اگر تم روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے، البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے، خواہ روزے رکھ لے، خواہ صدقہ دے دے، خواہ قربانی کرے، پس جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے، جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں، پورے دس ہو گئے، یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، لوگوں اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے)۔

یہ آیت اس شخص کے بارے میں بتا رہی ہے جو حج و عمرہ سے روک دیا جائے تو اسے جو قربانی میسر ہو کر ڈالے، امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ تم جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو، کہا جاتا ہے یسر الأمر: تیسر (آسان ہونا) جیسا کہ کہا جاتا ہے: صعب و استصعب (دشوار ہونا) اور جمہور کی رائے ہے کہ قربانی بکری کی ہوگی۔

فعل مضارع کے صیغے کے لیے قرآن کریم میں درج ذیل حالات وارد ہوئے ہیں: نیسّرك، فسنیسّرہ.

فعل مضارع کے صیغوں کے آیات

(۱۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرىٰ" [سورۃ الاعلیٰ، آیت: ۸] (ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کردیں گے) امام شوکانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے جنت کا عمل آسان کردیں گے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہم آپ کو اپنے راستہ کی توفیق دیں گے جو زیادہ آسان اور زیادہ سہل ہوگا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہم آپ کو آسان شریعت کی توفیق دیں گے، اور یہ آسان حنفی شریعت ہے، اور آیات کو عموم پر محمول کرنا اولیٰ ہے یعنی ہم آپ کو دین ودنیا میں اور آپ کے ہر معاملہ میں آسان طریقہ کی توفیق دیں گے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرىٰ" [سورۃ اللیل، آیت: ۷] (تو ہم بھی اس کو آسان راستہ کی سہولت دیں گے) امام شوکانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں تو عنقریب ہم ان کو اچھی صفت اور خصلت کے لیے تیار کردیں گے اور یہ عمل خیر ہے اور مطلب یہ ہے کہ تو ہم عنقریب ان کے لیے خیر کے راستہ میں انفاق کو آسان کردیں گے اور اللہ تعالیٰ کے لیے طاعت کے عمل کو۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرىٰ" [سورۃ اللیل، آیت: ۱۰] (تو ہم بھی اس کی تنگی اور مشکل کا سامان میسر کردیں گے)، امام شوکانی فرماتے ہیں: ہم اسے تنگی اور مشکل کے لیے تیار کردیں گے، حتیٰ کہ خیر وصلاح کے اسباب اس پر دشوار ہوجائیں گے اور مطلب ہے کہ ہم اس کو شر کے لیے تیار کردیں گے اس طور پر کہ ہم شر کو اس کے ہاتھوں پر جاری کردیں گے، عرب کہتے ہیں: "یسرت الغنم" جبکہ وہ جنے یا جننے کے لیے تیار ہو۔ فعل امر

کے صیغہ کے لیے قرآن کریم میں ایک ہی حالت وارد ہوئی ہے اور وہ ہے: "یسّر"۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ" [سورۃ طٰہٰ، آیت: ۲۶] (اور میرے کام کو مجھ پر آسان فرمادے)، امام طبری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جس پیغام کے پہونچانے کا آپ نے مجھے مکلّف بنایا ہے، اس کی انجام دہی کو میرے لیے آسان فرمادے اور مجھے طاعت وفرمانبرداری پر آمادہ کردے۔

قرآن کریم میں مصدر کے صیغے کے لیے درج ذیل حالات وارد ہوئے ہیں، الیسر مصدر معرف باللام، ویسراً مصدر کے صیغوں کی آیتیں۔

(۱۶) قال اللّٰہ تعالیٰ: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوْا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوْا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۵] (ماہ رمضان وہ جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کی ہدایت کرنے والا ہے، اور جس میں ہدایت کی اور حق وباطل کی واضح نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو، اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔

یہ آیت قرآن مجید کے رمضان المبارک کے مہینہ میں اتارے جانے کے بارے میں بتارہی ہے جو ہدایت اور حق کی وضاحت پر مشتمل ہے اور حق وباطل میں فرق کرنے والا ہے، پھر آیت اس سے روزہ رکھنے کا مطالبہ کررہی ہے، جو اس مہینہ میں موجود ہو اور مریض ومسافر کے لیے افطار کی رخصت دے رہی ہے: "یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" امام طبری

فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حالت سفر ومرض میں تمہارے لیے افطار کی رخصت دی تو وہ اس سے آسانی، تخفیف اور سہولت چاہ رہا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان حالات میں تمہیں روزہ میں مشقت ہوگی اور وہ تمہارے ساتھ دشواری ومشقت کا معاملہ نہیں کرنا چاہتا۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُ جَزَاءُ ن الْحُسْنىٰ وَسَنَقُوْلُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْراً" [سورۃ الکہف، آیت: ۸۸] (ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے، اس کے لیے بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی کا حکم دیں گے)۔

علامہ شوکانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جو اللہ پر ایمان لایا اور اچھے اعمال کیا اور میری دعوت کی تصدیق کی تو اس کے لیے بدلے میں بھلائی ہے اور یہ بدلہ جنت ہی ہے، ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی کا حکم دیں گے، دشوار وشاق کا نہیں۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَالْجَارِيَاتِ يُسْراً" [سورۃ الذاریات، آیت: ۳] (پھر چلنے والیاں نرمی سے) علامہ شوکانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ سمندر میں ہواؤں کے ذریعہ آسانی کے ساتھ چلنے والی کشتیاں ہیں، یسر ہر شی میں آسانی کو کہتے ہیں۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْراً" [سورۃ الطلاق، آیت: ۴] (تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے ہر کام میں آسانی کردے گا)۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آئسہ عورت کی عدت واضح

کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ آئسہ اس عورت کو کہتے ہیں، درازی عمر کی وجہ سے جس کا حیض رک گیا ہو، اس کی عدت حیض کے تین قروء کے بدلے تین مہینے ہے اور وہ چھوٹی لڑکیاں جو ابھی سن حیض کو نہیں پہنچی ہیں، ان کی بھی عدت آئسہ کی عدت کی طرح تین مہینے ہے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ حاملات کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ مطلقات ہوں یا متوفیٰ عنہا زوجہا، " وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا" جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تابعداری اور نواہی سے اجتناب میں تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو آسان فرمادے گا دنیا و آخرت میں اور مقاتل کہتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ سے معاصی سے اجتناب میں تقویٰ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے طاعت وفرمانبرداری کی توفیق دے کر اس کے معاملہ کو آسان فرمادے گا۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ کا فرمان: "لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا" [سورۃ الطلاق، آیت: ۷] (کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (اپنی حسب حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے، اللہ تنگی کے بعد آسانی وفراغت بھی کردے گا)۔

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے، اس آیت میں کشادگی والوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی کشادگی کے حساب سے دودھ پلانے والیوں پر خرچ کریں: "وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ" یعنی جس کا رزق یومیہ رزق ہو تو اسے جو اللہ نے دیا اس میں سے خرچ کرے: "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا" یعنی جو اسے رزق دیا ہے، لہٰذا فقیر کو مکلف نہیں بنایا کہ وہ اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرے بلکہ اس پر وہی خرچ کرنا

ہے جس پر وہ قادر ہو: "سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْراً" یعنی اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد کشادگی و مالداری عطا فرمائے گا۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً" [سورۃ الشرح، آیت: ۵] (یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے)۔

(۲۲) "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً" [سورۃ الشرح، آیت: ۶] (بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے)۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: یقیناً تنگی کے ساتھ کشادگی ہے اور شدت کے ساتھ خوشحالی ہے اور تکلیف کے ساتھ خوشی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ ہر دشواری آسان ہو جائے گی اور ہر شدت و دشواری آسان ہو جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو مؤکد کرتے ہوئے فرمایا: یقیناً تنگی مذکور کے ساتھ دوسری آسانی ہے۔

صفت مشبہ کے صیغے کے لیے قرآن کریم میں درج ذیل حالات وارد ہوئے ہیں: "یسر، یسراً"۔

صفت مشبہ کے صیغوں کی آیتیں:

(۲۳) اللہ تعالیٰ کا فرمان: "وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ" [سورۃ یوسف، آیت: ۶۵] (اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو اپنا سرمایہ موجود پایا جو ان کی جانب سے لوٹا دیا گیا تھا، کہنے لگے: اے ہمارے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے، دیکھئے تو ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس لوٹا دیا گیا ہے، ہم اپنے خاندان کو رسد مدد دیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لائیں گے، یہ ناپ تو بہت آسان ہے)۔

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے اپنے ان اسباب کو کھولا جن کو وہ یوسف کے پاس سے اٹھا کر لائے تھے تو اپنا سرمایہ کو موجود پایا جو ان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا: "قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي" (کہنے لگے اے ہمارے باپ! ہمیں اس سے زیادہ اور کیا چاہیے؟) دیکھئے تو ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس لوٹا دیا گیا ہے اور ہم اپنے خاندان کے لیے کوئی کھانا تلاش کریں گے اور اسے ان کے لیے خریدیں گے، "وَنَحْفَظُ أَخَانَا" اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لائیں گے، "ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ" یہ ناپ تو بہت آسان ہے، یہ بوجھ آسان ہے۔

(۲۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ" [سورۃ الحج، آیت: ۷۰] (کیا آپ نے نہیں جانا کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے، یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے)۔

امام شوکانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: "ألم تعلم" یہ جملہ ماقبل جملہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے اور استفہام تقریری ہے یہ کہ محمد آپ جان چکے ہیں اور یقین کر چکے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو جانتا ہے اور من جملہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے کہ جن میں تم اختلاف کرتے ہو، "في كتاب" یعنی اس کے نزدیک اصل کتاب میں مکتوب ہے (لکھا ہوا)، "إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ" زمین و آسمان کی تمام چیزوں کے علم کا احاطہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔

(۲۵) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ" [سورۃ العنکبوت، آیت: ۱۹] (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ مخلوق کی ابتداء کس طرح اللہ نے کی پھر اللہ اس کا اعادہ کرے گا، یہ تو اللہ پر بہت ہی آسان ہے)۔

امام طبری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سرے سے انسان کو پیدا کیا جبکہ وہ چھوٹا بچہ تھا، پھر بھرپور نوجوان ہوگیا، پھر مکمل مرد ہوگیا، پھر ادھیڑ عمر کا ہوگیا، "ثم یعیدہ" وہ پھر انسان کو مرنے اور فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا جیسا کہ پہلی بار پیدا کیا، " إن ذلك علی اللّٰہ یسیر" اور (دوبارہ پیدا کرنا) اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے جیسا کہ پہلی بار اس کا پیدا کرنا آسان تھا۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ قول ہے: "وَاللّٰهُ خَلَقَكُم مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجاً وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ" [سورۃ فاطر، آیت:۱۱] (لوگو! اللہ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا، پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا ہے، عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا، سب اس کے علم سے ہی ہے، اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے، وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ پر یہ بات بالکل آسان ہے)۔

"واللّٰہ خلقکم من تراب" امام طبری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، ان کے باپ کو مٹی سے پیدا کرنے کو خود اس کا پیدا کرنا قرار دیا، "من نطفة" پھر تم کو مرد اور عورت کے نطفہ سے پیدا کیا پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا، (مؤنث کا جوڑا نذکر سے) "وما تحمل من أنثیٰ ولا تضع إلا بعلمه" عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا، سب اسی کے علم سے ہی ہے اور اس پر ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی، "وما یُعمر من معمر ولا ینقص من عمره إلا في کتاب" اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے، اس کی ماں کے حمل اور اس کو جننے سے پہلے اس میں کوئی کمی وزیادتی نہیں ہوتی، "إن ذلك علی اللّٰہ یسیر" مخلوق کی عمروں کا شمار کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے خواہ انسان طویل العمر ہو یا قصیر العمر۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَوْمَ تَشَقَّقُ الأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعاً ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ" [سورۃ ق، آیت: ۴۴] (جس دن زمین پھٹ جائیگی اور یہ دوڑتے ہوئے (نکل پڑیں گے) یہ جمع کرلینا ہم پر بہت ہی آسان ہے)۔ امام طبری فرماتے ہیں کہ جس دن پھٹ جائے گی اور مخلوق دوڑتی ہوئی نکل پڑے گی، "ذلك حشر علينا يسير" لوگوں کو حساب وکتاب کے لیے جمع کرنا اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔

(۲۸) قال تعالیٰ: "مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الأَرْضِ وَلَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ" [سورۃ الحدید، آیت: ۲۲] (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے)۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ بندوں کو جو بھی مصیبت لاحق ہوتی ہے وہ پہلے سے قضاوقدر میں موجود ہوتی ہے اور اصل کتاب میں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وما أصاب من مصيبة في الأرض" (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے جیسے قحط، بارش، پودوں کی کمزوری اور پھلوں کی کمی، "ولا في أنفسكم" قتادہ فرماتے ہیں: بیماریاں، "إلا في كتاب" ان کے ہمارے پیدا کرنے سے پہلے سے لوحِ محفوظ میں موجود ہوتی ہیں، ان تمام چیزوں کا کثرت کے باوجود لوح محفوظ میں جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے دشوار نہیں ہے۔

(۲۹) اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّئُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ" [سورۃ التغابن، آیت: ۷] (ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے، آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔

(۳۰)اللہ تعالیٰ کا قول ہے:"علی الکافرین غیر یسیر" [سورۃ المدثر، آیت:۱۰](جو کافروں پر آسان نہ ہوگا)، یہ آیت کافروں پر قیامت کے دن اس کی سختی وشدت کو بتارہی ہے، "غیر یسیر" امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ کافروں کو اس کی شدت کو مؤکد کرکے بیان کیا ہے کہ وہ آسان نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے اس قول "یوم عسیر" سے سمجھا گیا۔

(۳۱)اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"وَمَن يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَاناً وَّظُلْماً فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَاراً وَّكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيراً" [سورۃ النساء، آیت:۳۰] (اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم کرے گا تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے)۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کا قول "ومن یفعل ذلك" یعنی خاص طور سے قتل اور لوگوں کا ظلم وزیادتی سے مال کھانا اور ظلم وزیادتی سے قتل کرنا۔

اور امام طبری فرماتے ہیں کہ "وسوف نصلیه ناراً" کا مطلب یہ ہے کہ ہم عنقریب اسے ایسی آگ میں داخل کریں گے جس میں وہ تپے گا تو اس کے نتیجہ میں جل جائے گا، اور "کان ذلك علی اللّٰه یسیراً" کا مطلب یہ ہے کہ مخالف کا آگ میں تپانا وجلانا اللہ کے لیے آسان ہے، اور اس لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی کسی تصرف سے روک نہیں سکتا، وہ جو چاہتا ہے اس کا خوب خوب کرنے والا ہے۔

(۳۲)اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً وَّكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيراً" [سورۃ النساء، آیت:۱۶۹](بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش پڑے رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے)۔

یہ آیت کافروں کے عذاب دینے کے سیاق میں آئی ہے، امام طبری فرماتے ہیں کہ یقیناً وہ جہنم کی راہ کی طرف اپنے کفر کی وجہ سے چلائے جائیں گے اور وہ اس میں داخل

کیے جائیں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کو ہمیشہ ہمیش جہنم میں رکھنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے، اس لیے کہ اس سے اسکو کوئی نہیں روک سکتا اور نہ اس پر کسی چیز کا کرنا دشوار ہوتا ہے، اس لیے کہ تخلیق اسی کی ہے اور حکم اسی کا ہے۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضاً يَسِيراً" [سورۃ الفرقان، آیت: ۴۶] (پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا) "ثم قبضناہ" کی ضمیر اس سے قبل آیت کی طرف لوٹ رہی ہے اور مقصود ہے کہ سایہ کو ہم نے کھینچ لیا ہے، امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول: "ثم قبضناہ" کا معنی یہ ہے کہ سایہ اس فضا میں طلوع شمس سے غروب شمس تک باقی رہتا ہے، جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سایہ سمٹ جاتا ہے اور اس کی جگہ فضا میں سورج کی کرنیں آجاتی ہیں اور غروب تک زمین اور اشیاء کو روشن رکھتی ہیں، جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو کوئی سایہ نہیں ہوتا بلکہ فضاء میں صرف دن کی بقیہ روشنی ہوتی ہے، ایک معنی یہ بھی ہے کہ پھر ہم سورج کی روشنی کو سایہ کے ذریعہ کھینچ لیتے ہیں، آہستہ آہستہ سورج کے بلند ہونے کے حساب سے، ایک معنی "یسیراً" کا سریعاً یعنی تیزی کے ساتھ بھی ہے۔

(۳۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيراً" [الاحزاب، آیت: ۱۴] ترجمہ: (اگر مدینہ کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے پھر ان سے فتنہ کے لیے کہا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر دیتے اور نہ لڑتے مگر تھوڑی مدت)۔

امام طبری فرماتے ہیں کہ اگر ان کہنے والوں پر مدینہ کے اطراف سے لشکر داخل کیے جاتے جو یہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں پھر ان سے ایمان سے شرک کی طرف لوٹنے کا مطالبہ کیا جاتا تو ضرور ایسا کرتے، یعنی ایمان سے پھر جاتے اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے، "وما تلبثوا بها إلا يسيراً" یعنی وہ دعوت پر لبیک کہنے میں تھوڑی تاخیر نہ کرتے

بلکہ نہایت تیزی سے شرک کو قبول کر لیتے۔

(۳۵) اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا" [الاحزاب، آیت:۱۹] (تمہاری مدد میں بخل سے کام لیتے ہیں، پھر جب خوف ودہشت کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظریں جمادیتے ہیں اوران کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں، مال کے بڑے ہی حریص ہیں، یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال نابود کردیے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے)۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارے حق میں بخیل ہیں، خندق کھودنے میں تمہارا تعاون نہیں کرتے اور نہ اللہ کے راستہ میں خرچ میں تعاون کرتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ تمہارے ساتھ قتال میں بخل کرتے ہیں، "فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ" [سورۃ؟؟؟؟] (ان کی آنکھیں دائیں بائیں گھومنے لگتی ہیں اور یہ بزدلوں کا طریقہ ہے جبکہ وہ کسی خوف کی چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو اور وہ وہی شخص ہے جس پر موت نازل ہو اور اسکے اسباب اس کو ڈھانپ لیں تو وہ حواس باختہ ہوجائے اور اسکی عقل جاتی رہے، اسکی نگاہ کی ٹکٹکی بندھ جاتی ہے، جھپکتی نہیں ہے)۔

"فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ" حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اپنی زبانوں کو تمہارے بارے میں پھلا دیتے ہیں، غنیمت کے وقت یہ کہتے ہوئے کہ ہمیں دیجیے اس لیے کہ ہم حاضر تھے تمہارے ساتھ تو مال غنیمت کی تقسیم کے وقت بخیل ترین ہوتے

ہیں اور ان کی زبان سے زیادہ پھیلی ہوتی ہے اور مایوسی کے وقت سب سے بزدل اور ڈرپوک قوم ہوتی ہے، "أشحة على الخير" یقیناً وہ قلیل الخیر ہیں، "أولئك لم يؤمنو إيماناً خالصاً" وہ خالص ایمان نہیں لائے ہیں، بلکہ وہ منافق ہیں ایمان ظاہر کرتے ہیں اور کفر چھپاتے ہیں، "فأحبط الله أعمالهم" اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو باطل کر دیا، "وكان ذلك على الله يسيراً" ان کے اعمال کا ضائع و باطل کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان یا ان کا نفاق اللہ تعالیٰ پر بہت ہی آسان تھا۔

(۳۶) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا" [سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۰]

ترجمہ: (اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی بے حیائی (کا ارتکاب) کرے گی، اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور اللہ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات) ہے)۔

امام شوکانی فرماتے ہیں: اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی بے حیائی کریگی یعنی جس کا قبح ظاہر ہوگا اور فحش واضح ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے محفوظ رکھا ہے، بری اور پاک رکھا ہے، "يضاعف لها العذاب ضعفين" انہیں دوسری عورتوں کے عذاب سے دوگنا عذاب دیا جائے گا اور ایسا ان کے شرف اور بلند مقام و مرتبہ کی وجہ سے ہوگا، "وكان ذلك على الله يسيراً" اور یہ بات (یعنی دوہرا عذاب) اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے، عظیم اور دشوار نہیں ہے۔

(۳۷) اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا" [سورۃ الانشقاق، آیت: ۸] (اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا)، امام شوکانی فرماتے ہیں: اس میں کوئی مناقشہ کی گنجائش نہیں ہے، مقاتل فرماتے ہیں: اسکے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور ان کا محاسبہ نہیں ہوگا، اور مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے گناہوں کو

اس کے سامنے پیش کیا جائے گا پھر ان گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، یہی آسان حساب ہے۔

اسم تفضیل کے صیغے کے لیے قرآن مجید میں ایک ہی حالت وارد ہوئی ہے اور وہ ہے: "یسریٰ"۔

اسم تفضیل کے صیغہ کی آیتیں:

(۳۸) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ" [سورۃ الاعلیٰ، آیت:۸] (ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کردیں گے)۔

(۳۹) "فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ" [سورۃ اللیل، آیت:۷] (تو ہم بھی اس کو آسان راستہ کی سہولت دیں گے)، دونوں آیتوں کی تفسیر کی وضاحت فعل مضارع کے صیغہ کی آیتوں میں گزر چکی ہے۔

اسم مفعول کے صیغہ کی قرآن میں ایک ہی حالت وارد ہوئی ہے اور وہ ہے: "میسور"۔

(۴۰) اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا" [سورۃ الاسراء، آیت:۲۸] (اور اگر تجھے ان سے منھ پھیر لینا پڑے اپنے رب کی اس رحمت کی جستجو میں جس کی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے چاہیے کہ عمدگی اور نرمی سے انہیں سمجھادے)۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب آپ کے اقارب (رشتہ دار) اور وہ لوگ جنہیں ہم نے دینے کا حکم دیا ہے اور آپ کے پاس کوئی چیز ان کو دینے کے لیے نہ ہو اور نفقہ نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے ان سے اعراض کیا، "فقل لهم قولاً ميسوراً" تو آپ انہیں نرمی اور عمدگی سے سمجھادیجیے یعنی ان سے نرمی اور سہولت کے ساتھ وعدہ کیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ

کا رزق آ گیا تو ہم تمہارے ساتھ ان شاء اللہ صلہ رحمی کریں گے۔

اسم زمان کے صیغے کے لیے قرآن کریم میں ایک حالت وارد ہوئی ہے اور وہ ہے: "میسرۃ"۔

(۴۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَإِنْ كَانُوا ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۰] (اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے اور صدقہ کر دو تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم میں علم ہو)۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ تنگ دست کے حق میں صبر کرنے کا حکم دے رہا ہے اور "میسرۃ" یہاں "یسار" کے معنی میں ہے جس کا معنی ہے مالداری، اور اللہ تعالیٰ کا قول: "أن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون" امام زمخشری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دعوت دے رہا ہے کہ وہ اپنے اصل مال کا یا اس کے بعض حصہ کا اپنے تنگ دست قرض خواہوں پر صدقہ کر دیں، یقیناً یہ تمہارے لیے خیر ہے تو تم اس پر عمل کرو، اور اللہ تعالیٰ نے جان کر اس پر عمل نہ کرنے والے کو لاعلم کے حکم میں کر دیا ہے۔

اسم مکان کے صیغہ کے لیے بھی قرآن کریم میں ایک ہی حالت وارد ہوئی ہے اور وہ ہے: "میسر"۔

(۴۲) اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۱۹] (لوگ آپ سے شراب و جوے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ

ہے، آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجیے حاجت سے زائد چیز، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام کھول کھول کر تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو)۔

امام زمخشری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عمرؓ، معاذؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے کہا: اے اللہ کے رسول! شراب کے سلسلہ میں آپ ہمیں فتویٰ دے دیجیے، اس لیے کہ یہ عقل کو ختم کر دیتی ہے اور مال سلب (ضائع) کرتی ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی: "فیھما إثم کبیر ومنافع للناس" تو کچھ لوگوں نے اس کے بعد بھی پیا اور کچھ نے چھوڑ دیا، "میسر" جوے کو کہتے ہیں، یہ یسر کا مصدر ہے جیسا کہ موعد و مرجع، دونوں اپنے فعل کے مصدر میمی ہیں، کہا جاتا ہے: "یسرتہ" جب تم اسے جوا کھلاؤ، یہ یسر سے مشتق ہے، اس لیے کہ جوا نام ہے آدمی کے مال کو بغیر کسی تعب کے سہولت اور آسانی سے لے لینا، اللہ تعالیٰ کا قول: "قل فیھما إثم کبیر"، "وإثمھما" ان دونوں کے ارتکاب کے گناہ کی سزا ان دونوں کے نفع سے زیادہ ہے یعنی جتنا جوا کھیلنے میں مزا آیا اور شراب پینے میں مستی آئی ان دونوں سے ان کی سزا بڑی ہے۔

امام طبری فرماتے ہیں کہ: "یسألونك ماذا ینفقون قل العفو" (اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کے ساتھی آپ سے پوچھتے ہیں کہ صدقہ کے لیے وہ اپنے مال میں سے کیا خرچ کریں، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ مال کا زائد حصہ خرچ کرو۔

(۴۳-۴۴) قال تعالیٰ: "یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ، إِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ أَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَ الْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلَاۃِ فَھَلْ أَنْتُم مُّنْتَھُوْنَ" [سورۃ المائدۃ، آیت: ۹۰-۹۱] (اے

ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور استھان (بت) اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آجاؤ)۔

امام طبری ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بعض ان محرمات سے آگاہ کر رہا ہے جن کو ان پر حرام کر رکھا ہے اور یہ شراب، جوا، بت اور فال ہیں، یقیناً یہ محرمات گناہ ہیں، بد بودار ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوتا ہے، "من عمل الشیطان" ان چیزوں کو شیطان نے لوگوں کے لیے مزین کر کے پیش کیا ہے، "فاجتنبوہ" تو تم انہیں چھوڑ دو، مرفوض کر دو، انہیں عمداً اختیار نہ کرو تا کہ نجات پاؤ اور نجات پانے کے نتیجہ میں تم اپنے رب کے پاس فلاح و کامیابی حاصل کر سکو، "إنما یرید الشیطان الآیة" شیطان چاہتا ہے کہ تم شراب پیو اور جوا کھیلو تا کہ تمہارے درمیان دشمنی، عداوت اور بغض و نفرت پیدا کر دے، تو تمہارے معاملہ کو منتشر کر دے، تمہارے اندر پھوٹ، نا اتفاقی پیدا کر دے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعہ تمہارے دلوں کو جوڑ دیا ہے، تمہارے اندر الفت و محبت پیدا کر دی ہے، اور اخوت اسلامیہ کے ذریعہ تم کو متحد کر دیا ہے، "ویصدکم عن ذکر اللّٰہ" اور تمہارے شراب کے نشہ اور جوا میں مشغول رہنے کی وجہ سے تمہیں اللہ کے ذکر سے روک دے اور تمہیں فرض نمازوں سے بھی روک دے، "فھل أنتم منتھون" تو کیا تم اب بھی باز آئے شراب پینے اور جوا کھیلنے سے؟ جب صحابہؓ نے اس آیت کو سنا تو اس کی پابندی کی اور کہا: اے ہمارے رب! ہم اب باز آگئے۔

قرآن کریم میں یسر (آسانی) کے میدان

۱- پہلی بحث: عقیدہ میں آسانی۔
۲- دوسری بحث: قرآن کے تعلق وربط میں آسانی۔
۳- تیسری بحث: عبادات میں آسانی۔
۴- چوتھی بحث: معاملات اور شخصی احوال میں آسانی۔
۵- پانچویں بحث: اجتماعی ومعاشرتی تعلقات میں آسانی۔
۶- چھٹی بحث: دعوت وتبلیغ میں آسانی۔

اصطلاح یسر استعمال کے میدان

ان آیات میں غور وفکر، ان کی چھان بین اور تحقیق، ان کی تفسیر، ان کے سیاق وسباق کی طرف رجوع کرنے کے بعد راقم کے لیے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ اصطلاح بہت سے میدانوں میں استعمال ہوئی ہے اور اس کا استعمال ایک یا دو مقامات میں محصور نہیں ہے۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ عقیدہ کے تعلق سے استعمال ہوا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اپنے مختلف قسموں کے ساتھ اور اس کا علم ظاہر ہوا ہے اور یہ میدان تمام میدانوں سے زیادہ وسیع ہے جن میں یسر کا استعمال ہوا ہے۔

یســـــــر اس کے حفظ کی سہولت، اس کی تلاوت، اور اس کے سمجھنے کی آسانی میں استعمال، نیز عبادات اور اس کے احکام میں استعمال ہوا ہے، اور یہ اصطلاح اس لیے وارد ہوا کہ ہمارے لیے واضح ہو جائے کہ دین آسمان ہے، اس میں کوئی تنگی یا دشواری نہیں ہے اور

اسلامی شریعت رفع حرج پر مبنی ہے، شریعت وفطرت میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے بلکہ شریعت مکمل طور پر فطرت سے ہم آہنگ ہے۔

معاملات اور شخصی احوال میں اس لیے وارد ہوا تا کہ واضح ہو جائے کہ اسلام نے اپنی قانون سازی میں تدریج سے کام لیا ہے تا کہ اس کا نفاذ واطاعت وفرمانبرداری آسان ہو جائے، (جیسے شراب وجوا) اور اسلام نے طلاق اور اس پر مرتب ہونے والے احکام میں بھی آسانی کی ہے اور اجتماعی تعلقات میں یہ اصطلاح اجتماعی کفالت اور مسلمانوں کے مابین نصرت وتعاون اور رحمت وشفقت کے اصول کو ثابت کرنے کے لیے آیا ہے، اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں اس بات کو مؤکد کرنے کے لیے آیا ہے کہ داعی دعوت وتبلیغ کے میدان میں توفیق الٰہی کا محتاج ہوتا ہے، دعوت کا راستہ نہایت طویل اور دشوار ترین ہے، بسا اوقات ایسی بعض مصیبتیں اور آزمائشیں لاحق ہوتی ہیں، جس میں بڑی حکمت اور مصلحت مبنی کی ضرورت ہوتی ہے، یہیں سے اللہ تعالیٰ نے داعی کے عمل کو آسان کرنے کے لیے تنگی کے بعد کشادگی کی بات کہی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس اصطلاح کا استعمال قرآن کریم میں وسیع ہے بلکہ بعض آیتوں میں تو ایک ہی وقت میں ایک سے زائد بار میں وارد ہوا ہے۔

عقیدہ میں آسانی

یسر کے استعمال کا سب سے اہم میدان عقیدہ کا میدان ہے، ان آیتوں کی تحقیق وچھان بین کرنے والا جن میں یسر کا استعمال ہوا ہے، اس پہلو کو سامنے رکھ کر کرے گا، جن آیتوں میں یہ اصطلاح وارد ہوئی ہے وہ آیتیں عموماً خلق، بعث اور ظالموں کے عذاب میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم سے متعلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت میں: اللہ تعالیٰ پر ایمان کے لوازمات میں سے یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ ساری چیزیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور وہی ہر شی پر قادر ہے، ورنہ وہ اس وسیع

وعریض کائنات اور موجودات کے پیدا کرنے پر کیسے قادر ہوتا؟ وہ عاجز ہوجاتا اور عجز اللہ کے لیے محال وبعید ہے، اس سلسلہ میں عبدالرحمٰن میدانی فرماتے ہیں کہ ہم بدیہی طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ یقیناً وہ عظیم خالق جس سے بڑی طاقت وقوت والی کائناتی موجودات صادر ہوئی ہیں (وجود میں آئی ہیں)، لازم ہے وہ طاقت وقوت اور قدرت والا ہو، اگر ایسا نہیں ہوتا تو اس سے یہ طاقتور چیزیں وجود میں نہیں آتیں۔

قدرت ایک ایسی وجودی صفت ہے جسکا کوئی نہ کوئی اثر ہوتا ہے جیسے ممکنات کو وجود بخشنا یا ان کو ختم کردینا یا تمام موجودات میں تصرف کرنا یا اس کو منتشر کردینا وغیرہ، لیکن اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت ہماری طاقت وقدرت کے مشابہ نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل ہے اور کسی شئی سے ماخوذ نہیں ہے، اور ہماری ناقص ہے اور مستفاد ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بہت سی آیتوں میں قدرت کو ثابت کیا ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے: "لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" [سورۃ المائدۃ، آیت: ۱۲۰] (اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں، اور وہ ہر شئی پر پوری قدرت رکھتا ہے)۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا خالق ومالک ہے، ان میں تصرف کرنے والا اور ان پر قادر ہے، تمام پر اس کی ملکیت ہے، سب اسکی طاقت وقدرت اور مشیت وارادہ کے تابع ہیں، لہٰذا نہ اس کا کوئی نظیر ہے، نہ وزیر ہے، نہ مثیل وبدیل ہے، نہ اس کا کوئی والد ہے نہ ولد ہے، نہ اس کے علاوہ کوئی معبود اور نہ اس کے سوا کوئی رب ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنے آپ کے لیے قدرت وکمال کو ثابت کیا ہے ویسے ہی اس نے اپنے عجز ودرماندگی کی نفی بھی کی ہے، لہٰذا اسے زمین وآسمان کی کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی، وہی زبردست طاقت وقوت والا ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے، اسی کے قبضہ میں

ہر شئی ہے، ہر شئی میں اسی کا تصرف ہے، اسی کے قبضہ میں زمین و آسمان کی ملکیت ہے، وہی اس وجود کا تنہا مالک وخالق ہے اور اسکے معاملہ کی تدبیر کرنے والا ہے، وارث ہے، زبردست طاقت وقدرت والا ہے، قادر ہے۔ اب ہم اللہ کی قدرت وطاقت کے مظاہر کو ان آیات کی روشنی میں بیان کریں گے جن میں یسر وارد ہوا ہے۔

اس کے خلق وبعث میں ہر ابتداء کے لیے ایک انتہا ہے، اور انسان کی انتہا موت ہے، لیکن یہ انتہا اس کے دنیاوی وجود کی انتہا ہے، اس کے اعمال واقوال کے ذریعہ اس کی آزمائش کی انتہا ہے، اس اعتبار سے کہ وہ دوسرے گھر اور دوسری زندگی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے (حیات برزخ)، اسی وجہ سے اللہ کے علم سے بعث ونشور اور آخرت کی طرف انتقال ہوگا جہاں لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے، مخلوق دوبارہ زندہ کی جائے گی، یہی وہ عقیدہ ہے جس کا مشرکین وکفار انکار کرتے ہیں یہ سمجھتے ہوئے کہ انسان بوسیدہ وفنا ہو جائے گا اور دنیاوی زندگی میں موت کے بعد اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا۔

خالق، علیم، قادر، ہر نقص وعیب سے پاک ذات کی حکمت کا تقاضا یہ کہ وہ کامل ترین صورتوں کو اختیار کرے، جب ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارے ایمان باللہ کے عناصر میں سے ہے تو ضروری ہے کہ ہم اس بات کی طرف راہ یاب ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے شایانِ شان اس کائنات کو بے مقصد وبیکار پیدا کرنا نہیں ہے، اور نہ یہ کہ انسان کو اس کے تمام تر صفات کے ساتھ بے مقصد پیدا کرے، نہ یہ کہ خلق انسان کے قصہ کی انتہا اور اس سے صادر ہونے والے تمام اعمال خیر وشر کی انتہا اس دنیاوی زندگی کے احوال تک محدود ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسولوں کو لوگوں پر حجت قائم کرنے اور ان کو اس بات سے باخبر کرنے کے لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ پیدا کرے گا، اس لیے کہ جو پہلی بار پیدا کرے گا وہ اس کے اعادہ پر قادر ہوگا اور وہ ان کو قیامت میں زندہ اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَٰلِكَ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ" [سورۃ العنکبوت، آیت:۱۹] (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ مخلوق کی ابتداء کس طرح اللہ تعالیٰ نے کی پھر اللہ اس کا اعادہ کرے گا، یہ تو اللہ تعالیٰ پر بہت ہی آسان ہے)۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ پر ایمان کی دعوت کے ہر منکر اور موت کے بعد اٹھائے جانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کو جھٹلانے والے کو مخاطب کر کے کہتا ہے، اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور یہ اس کے لیے بہت سہل اور آسان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی رہنمائی دوبارہ اٹھائے جانے پر جس کے وہ منکر تھے ان چیزوں کے ذریعہ کی جن کا وہ خود اپنے اندر مشاہدہ کر رہے تھے، یعنی ان کا پیدا کیا جانا اس کے بعد کہ وہ کوئی قابل ذکر شئی نہیں تھے، پھر اللہ نے انہیں کان، آنکھ اور دل دیا اور ایک مدت تک انہیں زندگی میں تصرف کی صلاحیت دی، پھر اس کے بعد انہیں موت دی جس نے اس کی ابتداء کی، وہ اس کے اعادہ پر قادر ہے بلکہ یہ اس کے لیے بہت ہی آسان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: "وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ" [سورۃ الروم، آیت:۲۷] (وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے)۔

سید قطب فرماتے ہیں کہ یقیناً وہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ابتدا کس طرح کرتا ہے، اسے وہ آنے والے پودے، پرندے، اور ماں کے پیٹ کے بچوں میں اور ہر اس شئی میں دیکھ رہے ہیں جو پہلے نہیں تھی پھر ایسی شکل وصورت میں ہوگی جس کو پوری انسانیت اجتماعی یا انفرادی طور پر پیدا نہیں کر سکتی اور نہ پیدا کرنے کا دعویٰ کر سکتی ہے، یقیناً زندگی کا تنہا راز پوری بشریت کو عاجز کیے ہوئے تھا اور آج بھی بے بس کیے ہوئے ہے، اور اس کی کوئی وضاحت نہیں ہو سکی سوائے اس کے کہ اس اللہ کی کاریگری ہے جو مخلوق کو ہر لحظہ پیدا کرتا ہے لوگوں کی نگاہوں کے سامنے اور وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن انکار نہیں کر سکتے۔

خلق مصدر ہے مفعول یعنی مخلوق کے معنی میں ہے، اور "یبدئ" مضارع کا

صیغہ ہے، بدأ خلق کے استمرار کا فائدہ پہنچانے کے لیے لایا گیا۔ لطیفہ: امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ انسان نے خلق کی ابتدا کو کب دیکھا کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ: "أولم يسروا كيف يبدئ الله الخلق" اس کا جواب دیں گے کہ یہاں مراد وہ واضح علم ہے جو دیکھنے کے درجہ میں ہے اور عاقل جانتا ہے کہ ابتدا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

سید قطب کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ مخلوق کو پیدا کرنے کو اپنی نگاہوں سے دیکھتے تھے تو جس نے اسے پیدا کیا ہے وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بہت آسان ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے کسی شی کا پیدا کرنا دشوار نہیں ہے۔

یہ عقیدہ اپنی سادگی کی وجہ سے کسی فکری محنت ومشقت کا محتاج نہیں ہے، عقل اس کا ادراک اچھی طرح کرتی ہے اور آسانی سے اسے قبول کر لیتی ہے، اس کی مثالوں میں ٹیپ ریکارڈ ہے جس تک جدید سائنس پہنچ چکا ہے، جس کی حالت یہ ہے کہ وہ بعث بعد الموت کے مسئلہ ہم سے قریب کر دیتا ہے، اور انسان کے لیے آوازوں کا اعادہ آسان کر دیتا ہے، اور یہ آوازیں پہنچنے کے اعتبار سے ذات سے زیادہ تیز ہیں، تو اعادۂ خلق ذات باری کے لیے جو خلاق ہے کیسے دشوار یا مستحیل (محال) ہو سکتا ہے، لوگوں کو آخرت کے دن پر ایمان سے مطمئن کرنے کے لیے قرآن کی آسانی یہ ہے کہ وہ دوسری نشأۃ (دوبارہ پیدا کیے جانے کا) پہلی بار پیدا کیے جانے سے استدلال کرتا ہے، قرآن خلق ثانی پر استدلال خلق اول سے کیا ہے، ہم لوگ روز ایک ایسی نئی زندگی کا مشاہدہ کر رہے ہیں جو پیدا کی جاتی ہے، بچے پیدا ہو رہے ہیں، پرندے اپنے انڈوں سے نکل رہے ہیں، جانوروں کو ان کی مائیں جن رہی ہیں، مچھلیاں سمندروں اور نہروں کو بھر رہی ہیں، انسان اپنی نگاہ سے ساری چیزوں کو دیکھ رہا ہے، پھر دوسری بار اس طرح واقع ہونے کا انکار رہا ہے، یقیناً جو لوگ بعث بعد الموت پر کسی دلیل کا مطالبہ کر رہے ہیں، وہ اس بات سے غافل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طریقہ پر پیدا کیا، یہ سب سے بڑی دلیل ہے، لہٰذا جو اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اسے دوبارہ پیدا

کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا۔

بلکہ ہم پاتے ہیں کہ آگے آنے والی آیت انسان کا اپنی ماں کے پیٹ سے آسانی و سہولت سے نکلنے کے بارے میں بتارہی ہے، یہ آیت ایسے سیاق میں آئی ہے جس میں انسان پر تعجب ہے جو ہدایت سے اعراض کرتا ہے، اپنے رب کی طرف دعوت پر عناد کا اظہار کرتا ہے، اس کے شرک وکفر پر تعجب ہے کہ وہ اپنے وجود کے سرچشمہ اور اپنی پیدائش کی اصل کو یاد نہیں کرتا، اپنی نشو ونما کے ہر مرحلہ میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی عنایت وتوجہ کو نہیں دیکھتا ہے اور نہ اپنے خالق کے واجبات کو ادا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے:" قُتِلَ الإنسانُ ما أكفرَهُ منْ أيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ منْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ" [عبس: ١٧-٢٣] (اللہ کی مار انسان پر کیسا ناشکرہ ہے، اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ ایک نطفہ سے، پھر اس کو اندازہ پر رکھا، پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا، پھر اسے موت دی، اور پھر قبر میں دفن کیا، پھر جب چاہے گا اسے زندہ کردے گا، ہرگز نہیں، اس نے اب تک اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاوری نہیں کی)۔

عبدالرحمٰن حبنکہ نے ان آیات کی تفسیر میں سید قطب کے کلام سے قریب تر کلام ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اس انسان کے لیے جس نے اپنے رب کا انکار کیا اس میں شدید زجر وتوبیخ ہے اور اس کے شدید کفر اور اس میں غلو پر تعجب کا اظہار ہے، حالانکہ وہ اپنے بارے میں جانتا ہے کہ وہ ایک معمولی نطفہ تھا، پھر بدبودار مردہ ہوجائے گا جسے مٹی میں دفن کردیا جائے گا اور حال یہ ہے کہ وہ حساب وجزاء کے لیے موت کے اور اپنے دوبارہ اٹھائے جانے کا استہزاء کرتا ہے۔

"ثم السبيل يسره" اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "ثم" تراخی ترتب وزمن کے لیے ہے اس لیے کہ انسانی عمل کے راستہ کو آسان کرنا اللہ تعالیٰ کے انوکھی کاریگری پر دلالت کرنے میں

زیادہ تعجب خیز ہے اس لیے وہ عقل کا نتیجہ ہے اور وہ خلق انسان سے زیادہ عظیم ہے۔

سبیل کا معنی راستہ، اور وہ یہاں انسانی اعمال وتصرفات کے لیے استعارہ استعمال ہوا ہے، اس طور پر کہ اعمال کو ایک ایسے راستہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں انسان چلتا ہے، معقول کو محسوس سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ مولود کا ماں کے پیٹ سے گرنے کے لیے استعارۃً استعمال ہوا ہو، لہٰذا گزرگاہ کو سبیل کا نام دے دیا گیا، عربوں کا قول "السبیلان" میں لہٰذا یہ لفظ کو اس کے دونوں مجازی معنوں میں استعمال کرنے کے قبیل سے ہے۔

امام فخر الرازی فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد انسان کا ماں کے پیٹ سے آسانی سے نکلنا ہے، ان کا کہنا ہے کہ مولود کا سر ماں کے پیٹ میں اوپر ہوتا ہے اور پیر نیچے، جب نکلنے کا وقت ہوتا ہے مولود پلٹ جاتا ہے تو اس کا اس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کس نے الہام کیا، اس تاویل کی اس سے بھی تائید وتاکید ہوتی ہے کہ مولود کا اس تنگ راستہ سے زندہ نکل آنا اعجب العجائب میں سے ہے، اور انہوں نے کہا کہ یقیناً یہ دین کے معاملہ کے ساتھ خاص ہے، اس لیے کہ لفظ سبیل احساس دلاتا ہے کہ مقصود دنیا کے احوال ہیں نہ کہ اخروی امور۔

اور امام بقاعی کا کہنا ہے کہ سبیل مولود کا ماں کے پیٹ سے نکلنا ہے، اور اس کا راستہ جنت کی طرف ہے یا جہنم کی طرف، "یسرہ" یعنی اس کے نکلنے کو آسان کر دیا اس طرح کہ رحم مادر کے بند کو کھول دیا اور اس کو الہام کیا کہ وہ سکڑ جائے اور اس کے لیے خیر وشر کے راستہ کو ہموار کر دیا اور اس کو ایسی عقل عطا کیا جو اس کو دونوں راستوں میں جو آسان ہو اس کی طرف رہنمائی کرے۔

اور امام زمخشری فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ کو آسان کر دیا اور وہ اس کی ماں کے پیٹ سے نکلنا ہے یا خیر وشر کا وہ راستہ ہے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے سے اختیار کرے گا، "إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ" [سورۃ الانسان، آیت: ۳۰] ابن عباسؓ

سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر وشر کا راستہ واضح کر دیا۔

مفسرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس آیت میں مقصود انسان کا اپنی ماں کے پیٹ سے نکلنا بھی ہے اس لیے سیاق اسی حکم کا ہے کیونکہ آیتیں انسانی وجود کے سرچشمہ اور اس کی نشأۃ کی اصل کو بتا رہی ہے کہ وہ ایک نطفہ تھا اور اپنی تکوینی مراحل سے گزرنے کے بعد وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا، پھر وہ نکلا پھر کچھ مدت کے بعد مر گیا۔

نکتہ "ثم أماته فأقبره" إماتة خلقه کے مقابلہ میں ہے، اور "أقبره، ثم السبيل يسره" کے مقابلہ میں ہے کہ اقبار زمین میں داخل کرنے کو کہتے ہیں اور وہ مولود کا زمین کی طرف نکلنا ہے۔

وہ آیتیں مسلسل آ رہی ہیں جو کفار ومشرکین کے انکار بعث بعد الموت کو بتا رہی ہیں اور وہ آیت بھی آ رہی ہے جو محل تحقیق وبحث ہے تاکہ ہمیں ان کے انکار بعث بعد الموت کا بتائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے رد پر توجیہ ہے اور اس کو قسم کے ذریعہ مؤکد کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أن لَّن يُبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّئُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ" [سورۃ التغابن، آیت: ۷] (ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے، آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے پھر جو تم نے کیا ہے اس سے باخبر کیے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل آسان ہے)۔

یہ مشرکین کے کفر کی ایک قسم ہے، اور وہ انکار بعث وجزاء کے انکار کا کفر ہے اور یہاں "الذين كفروا" سے مکہ کے مشرکین جو انکے دین پر تھے وہ مراد ہیں۔

سید قطب فرماتے ہیں کہ کافروں کے عدم بعث کے قول کو زعم سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا پہلے میں لفظ سے اس کے جھوٹ ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے کہ بعث بعد الموت کے معاملہ کو خوب مؤکد کر کے بیان فرمائیں، اور اس

کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی قسم کھائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب کی قسم کھانے سے بڑھ کر اور قوی تاکید نہیں ہوسکتی، "قل بلیٰ وربي لتبعثن" (آپ کہہ دیجیے کیوں نہیں؟ تم ضرور بالضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے)۔

اور علامہ زمخشریؒ کا کہنا ہے کہ زعم علم کا دعویٰ ہے، لہٰذا معنی ہوگا کہ کفار نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں سے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، اے محمد! آپ ان سے کہہ دیجیے کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تم ضرور بالضرور قبروں سے زندہ کیے جاؤ گے اور تمہیں ضرور تمہارے دنیاوی اعمال کی خبر دی جائیگی، اور قیامت کے دن ہمارا قبروں سے دوبارہ زندہ کیا جانا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے، پھر ابن عاشور نے واضح کردیا کہ بعث بعد الموت کا سبب اور مقصد لوگوں کو ان کے دنیاوی زندگی کے اعمال سے باخبر کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثم لتنبئن بما عملتم" (پھر تمہیں تمہارے اعمال سے ضرور آگاہ کردیا جائے گا) ثم یہاں تراخی زمان ورتبہ کے لیے ہے کیونکہ ان کے اعمال سے ان کو باخبر کرنا بعث بعد الموت کے ثابت کرنے سے زیادہ اہم ہے کیونکہ وہی بعث بعد الموت کی علت وغایت ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: "زعم الذین کفروا أن لن یبعثوا قل بلیٰ وربي....." الآیۃ "بلیٰ" لن کے بعد کا اثبات ہے اور وہ دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور صرف لن نفی کے تاکید کے لیے لایا گیا ہے، وہ دوبارہ زندہ نہ کیے جانے کا یقین رکھتے تھے اسی وجہ سے ان کے خیال کو باطل قرار دینے کے لیے قسم سے مؤکد کرکے لایا گیا تاکہ ان کی نفی اس سے زیادہ سخت نفی سے ختم ہوجائے، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہنچادیں کہ بعث بعد الموت یقیناً واقع ہوگی تاکہ وہ کہہ نہ سکیں کہ ان تک یہ پیغام نہیں پہنچ سکا۔

کفار کا بعث بعد الموت کا انکار احکام شرعی، حسی اور عقلی تینوں طرح باطل ہے،

شرعی بطلان تو سورۃ تغابن کی گزشتہ آیت میں ثابت کر چکے ہیں اور حسی بطلان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس دنیا میں مردوں کو زندہ کرنا دکھا دیا ہے، ابراہیم خلیل اللہ کے واقعہ میں جس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ کیسے مردوں کو زندہ کریں گے؟ انہیں دکھا دیں، تو اللہ تعالیٰ انہیں چار پرندوں کو ذبح کرنے، اور ان کے حصوں کو اپنے اردگرد پہاڑوں پر منتشر کرنے، اور انہیں پکارنے کا حکم دیا تو سارے حصے ایک دوسرے میں ضم ہو کر دوڑتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔

اور عقلی طور پر دو طرح سے باطل ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ یقیناً زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اور زمین کے اندر کی تمام کی چیزوں، اور جو پہلی بار پیدا کرنے پر قادر رہتا ہے وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے سے کیسے عاجز ہو سکتا ہے؟

(۲) زمین بالکل مردہ اور خشک ہوتی ہے اس میں کوئی سبز درخت نہیں ہوتا ہے، اس پر بارش ہوتی ہے تو وہ سبزہ زار ہو کر جھومنے لگتی ہے اور اس میں ہر قسم کی نوع بنوع چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں، زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرنے والا، مردوں کے زندہ کرنے پر ضرور قادر ہوگا۔

جس وقت انسان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ نہ دوبارہ اٹھایا جائے گا اور نہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہوگی، تو وہ سخت، خشک اور ایسی مادی زندگی گزارتا ہے جس میں نہ وہ کوئی لذت محسوس کرتا ہے اور نہ کوئی مزہ، اور وہ ایمان کی لذت سے بھی محروم ہو جاتا ہے، فرانسیسی مشہور رائٹر اور فیلسوف رہجو نے اچھی تصویر پیش کی ہے، یہ حقیقت ہے کہ جب انسان عدم کے بارے میں سوچتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد صرف عدم مطلق ہے تو اس کے لیے زندگی کی کوئی قیمت و اہمیت نہیں ہوگی، یقیناً جو چیز انسان کی زندگی کو پر لطف و خوشگوار بناتی ہے اور اس کی کوشش و عمل کو فرحت و مسرت سے بھر دیتی ہے، اس کے دل کو شاداں و فرحاں

رکھتی ہے اور اس کے نظریہ کو وسیع کر دیتی ہے وہ عالم ابدی کا اعتقاد اور انسان کی بقا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کے لیے ارادہ فرمایا ہے کہ وہ آخرت کے مزے میں دنیا میں ایسی زندگی گزارے جو لوگوں کے لیے خیر کی چاہت، ان کے نصرت وتعاون کے جذبے اور ایمان سے بھرپور ہو۔

آخرت پر ایمان کے کچھ اہم فائدے ہیں:

(۱) ان میں سے پہلا فائدہ اطاعت وفرمانبرداری کے اعمال سے واقف ہونا ور اس دن کے بدلہ کی امید میں، رغبت ودلچسپی ہے۔

(۲) دوسرا فائدہ گناہ ومعصیت کے افعال، ان پر راضی رہنے سے اس دن کی سزا کے خوف سے ڈرنا ہے۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ مومن کو جس اخروی نعمتوں اور بدلہ کی امید ہے، ان سے تسلی حاصل ہوتی ہے، ان دنیاوی نعمتوں کے مقابلہ میں جو اس سے فوت ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا ظالموں کو عذاب دینے میں: اللہ تبارک وتعالیٰ کے عدل وانصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ محسن کو اس کے احسان کا بہترین بدلہ دے اور گنہگاروں کو ان کے گناہوں کا پر سزا دے، ظلم کی انتہا ضروری ہے اور ظلم قیامت کے دن کی تاریکیاں ہیں، امام راغب نے ظلم کی تعریف حد سے تجاوز کرنے سے کی ہے، ظلم کا اطلاق کثیر وقلیل تجاوز پر بھی ہوتا ہے، اسی وجہ سے انہوں نے ذکر کیا کہ ظلم کی تین قسمیں ہیں:

۱- انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین ظلم، سب سے بڑا ظلم شرک، کفر اور نفاق ہے۔

۲- انسان اور لوگوں کے مابین ظلم۔

۳- انسان اور اس کے نفس کے مابین ظلم۔

درحقیقت یہ تینوں قسمیں نفس کا ظلم ہے، اللہ تعالیٰ کا ظالموں کو عذاب دینے میں کلمہ "یسر" (آسانی) مختلف سورتوں میں پانچ جگہوں پر آیا ہے، دو جگہ سورۂ نساء میں، دو

سورۂ احزاب میں، اور پانچواں سورۃ اللیل میں، ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ظالموں کو عذاب دینا بہت ہی آسان ہے، آنے والی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور ظلم کیا اللہ تعالیٰ انہیں کبھی معاف نہیں فرمائے گا، اور جہنم کے علاوہ اور کسی راستہ کی طرف ان کی رہنمائی نہیں فرمائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کو ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رکھنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَلَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقاً إِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً وَّكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْراً" [سورۃ النساء، آیت:۱۶۸-۱۶۹] (جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور انہیں کوئی راہ دکھائے گا بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش پڑے رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے)۔

اللہ تعالیٰ یہود کے صفات ذکر کرنے کے بعد- وہ یہ ہیں کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ سے روکا- کافروں کے سلسلہ میں آیتوں، اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ اپنے حکم کا اعلان کیا کہ نفس پر ظلم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا اور نہ خیر کے راستہ کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا، ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

امام طبریؒ نے واضح کردیا ہے کہ ظالم وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور محمد کی نبوت کا انکار کیا وہ ظالم ہیں، اس لیے کہ وہ ظلم پر قائم رہے، انہیں اللہ تعالیٰ کسی راستہ کی طرف رہنمائی نہیں فرمائے گا، یہاں طریق سے مراد دین اسلام ہے یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی کفر کی وجہ سے انہیں رسوا کرے گا اور انہیں دین اسلام کی توفیق نہیں دے گا جس سے وہ اللہ کا بدلہ حاصل کریں اور جس کے ذریعہ جنت میں پہنچے، وہ اپنے کفر کی وجہ

سے جہنم کے راستہ پر چلیں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیش کے لیے داخل رہیں گے اور ان کا جہنم میں ہمیشہ ہمیش کے لیے باقی رکھنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔

اس لیے کہ کوئی اسے اس کام سے الگ نہیں کر سکتا ہے، اور نہ کوئی چیز جس کا وہ ارادہ کر لے اس کے لیے دشوار ہے، اس لیے کہ مخلوق اسی کی ہے اور حکم اسی کا ہے۔

اور سید قطبؒ کہتے ہیں کہ ان جیسوں کی مغفرت کرنا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے جبکہ وہ گمراہیوں میں دور جا پڑے اور اپنے حق میں مغفرت کے ہر راستہ کو منقطع کر لیا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ شایانِ شان ہے کہ وہ ان کو جہنم کے راستہ کے علاوہ کسی سیدھے راستہ کی رہنمائی کرے جبکہ انہوں نے اپنے لیے ہدایت کے ہر راستہ کو منقطع کر لیا ہے اور اپنی دور کی ضلالت وگمراہی اور شرک وکفر کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم کے مستحق ہو گئے ہیں۔

اور امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے اس قول پر کی "وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا" کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شی دشوار وناممکن نہیں ہے، لہٰذا ان کو تدریجاً تکلیف پہنچانا ابد الآباد تک اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے اگر چہ دوسروں کے لیے یہ دشوار ہے۔

اور سورۂ احزاب میں کلمۂ یسر غزوۂ احزاب کے بیان اور ان منافقین کے موقف کو بتانے کے لیے آیا ہے جو جہاد سے بیٹھ جاتے تھے، اور اسلام ومسلمانوں سے بغض وحسد اور شدید نفرت رکھتے تھے، قرآن نے ان کے جبن وخوف کی حالت کی تصویر اس شخص کی حالت سے بیان کی جس پر موت کی غشی طاری ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا" [سورۃ الاحزاب، آیت:۱۹] (تمہاری مدد میں (پورے) بخیل ہیں، پھر جب خوف ودہشت کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظریں جما

دیتے ہیں اوران کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو، پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز (زبانوں) سے بڑی باتیں بناتے ہیں، مال کے بڑے ہی حریص ہیں، یہ ایمان لائے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال ضائع کردیے ہیں، اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے)۔

سید قطبؒ کہتے ہیں کہ جہاد سے بیٹھ جانے والوں کی ایک انوکھی نفسیاتی تصویر کشی کی ہے جو استہزاء اور مذاق کو ابھارتی ہے اور یہ بزدلی، خوف اور حد سے زیادہ گھبراہٹ ودہشت کی ایک تصویر ہے۔

شدت وپریشانی کے وقت اور خوشحالی کے وقت نشاط وچستی، زبان کی تیزی اور مال کی حد سے زیادہ حرص ولالچ کی ایک تصویر ہے۔

ابن عاشور اللہ تعالیٰ کا قول: " أشحة عليكم " کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ الشح کہتے ہیں حسب گنجائش دوسروں کو نفع پہونچانے میں بخل کرنا، اور اصل مال کا خرچ نہ کرنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ منافقین حسب گنجائش مال ومدد کو بھی تم سے روک لیتے ہیں، یعنی جب جنگ کا موقع ہوتا ہے تو یہ حسب گنجائش فائدہ کو بھی مسلمانوں سے روک لیتے ہیں اور اسی قبیل سے ان کے اوپر بخل کرنا بھی ہے اور ہر طرح کا بخل ہے۔

امام طبری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا مسلمانوں کے حق میں بخل کرنے کو بیان فرمایا ہے کیونکہ ان کے دلوں میں مسلمانوں سے بغض وحسد اور شدید نفرت تھی۔

"فإذا جاء الخوف رأيتهم ....." یہ آیت ان کے انتہائی بزدلی وخوف کی طرف اشارہ کررہی ہے، بزدل آدمی یقیناً اپنے مال میں بخل کرتا ہے اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا ہے، اس لیے کہ اسے کامیابی وکامرانی کی امید نہیں ہوتی ہے، اور نہ وہ مال غنیمت کی امید ہوتی ہے، لہٰذا وہ کہتا ہے کہ یہ ایسا خرچ ہے جس کا کوئی بدلہ نہیں ہے، لہٰذا وہ کرچ کرنے سے رک جاتا ہے، لیکن بہادر آدمی کو کامیابی ومال غنیمت کی امید ہوتی ہے، لہٰذا اس کے لیے

جنگ میں مال خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اسے خرچ کیے ہوئے مال سے کئی گنا زیادہ مال کے حصول کی امید ہوتی ہے۔

لطیفہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں "فإذا جاء الخوف رأيتهم ينظرون إليك .....الآية" ينظرون إليك کہا ہے، ينظرون إليكم نہیں کہا۔

خطاب "رأيتهم" نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور یہ متقاضی ہے ایسی حالت کے حکایت کی جو پیش آیا نہ کہ ایسی حالت کی جس کا وقوع فرض کرلیا گیا ہو، اسی وجہ سے "رأيتهم" کی تعبیر اختیار کی گئی "ينظرون إليك" نہیں کہا گیا، منافقین کی نگاہ آپ کی طرف ایک تلاش وجستجو کرنے والے کی نگاہ تھی کہ دیکھیں وہ کیا کارنامہ انجام دیتے ہیں، وہ لسان حال سے کہہ رہے تھے کہ کیا ہم نے تم سے (مومنوں) نہیں کہا تھا کہ احزاب سے جنگ وقتال کی تمہارے اندر طاقت وسکت نہیں ہے، لہٰذا اے مسلمانو! تم لوٹ جاؤ، اور وہ کہ جس وقت نبی کو احزاب سے جنگ وقتال سے ڈرا رہے تھے یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ حق پر ہیں، اسی وجہ سے ان کی نگاہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کیا گیا اور "ينظرون إليكم" نہیں کہا۔

فائدہ: اس نگاہ کی تکرار وتجدد پر دلالت کے لیے مضارع کا صیغہ لایا گیا۔

(تدور أعينهم) کا جملہ "ينظرون" کی ضمیر سے حال ہے، ان کی نگاہ کو اس خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے انسان سے تشبیہ دینے کے لیے جو ایسی متعدد جہات کو گھور کر دیکھ رہا ہو جن میں سے کسی ایک سے مصیبتوں کے آنے سے ڈر رہا ہو، اور ان کی نگاہ کو ایسے شخص کی نگاہ سے تشبیہ دی گئی جس پر موت کی نزاع کی وجہ سے غشی طاری ہو، اس لیے اس کی آنکھیں مضطرب وپریشان ہوتی ہیں۔

جب جنگ ختم ہو جاتی تو وہ تم لوگوں (مومنوں) پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں، ابن عاشور کہتے ہیں کہ "السلق" کہتے ہیں آواز اور چیخنے کی قوت کو یعنی وہ تم سے جھگڑتے ہیں، تم پر لعن طعن کرتے ہیں اس حال میں کہ مومنوں کے حق میں خیر میں بخیل

ہوتے ہیں، یعنی ان کا مسلمانوں سے جھگڑنا ان پر خوف اور ان کی شرک کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے بلکہ بغض وحسد اور شدید نفرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

فائدہ: "أولئك لم يؤمنوا....." الآیۃ اسم اشارہ ان کی صفات ذمیمہ کی وجہ سے ان کو ممتاز کرنے کے لیے لایا گیا ہے، اور اس پر تنبیہ کے لیے کہ اسم اشارہ کے بعد جو حکم آیا ہے وہ اس کے مستحق ہیں، ان کی مخفی باتوں کو واضح کرنے کے لیے ان سے ایمان کی نفی کی گئی ہے کیونکہ وہ مسلمان کو وہم دلاتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں، اور ان کے ایمان کی نفی اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دینے پر مرتب کیا گیا ہے۔

امام طبری کا کہنا ہے کہ یہ منافقین ایمان نہیں لائے اور کفار ہی رہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع و باطل قرار دیا اور ان اعمال پر ان کے لیے اجر وثواب نہیں لکھا۔

"وكان ذلك على الله يسيراً" ان منافقوں کا عمل ضائع و باطل قرار دینا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی تحدید کو ان لوگوں کے حق میں ذکر فرماتے ہیں جو لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں، زیادتی وظلم کرتے ہوئے کہ ہم جانوں کو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے کے بدلے میں قتل کریں گے، خود اس کو بھی جس نے اپنے آپ کو قتل کیا ہے، (خودکشی کی ہے) جو بھی ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں عذاب دے گا اور اسکا عذاب دینا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا" [سورۃ نساء، آیت: ۲۹-۳۰] (اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ تمہاری آپس کی رضامندی سے ہو، خرید وفروخت اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو،

یقیناً اللہ تم پر نہایت مہربان ہے، اور جو شخص یہ سرکشی اور ظلم سے کرے گا تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے)۔

ابتداء سورت سے یہاں تک کلام یتیموں، اعزہ اقارب اور عورتوں کے معاملہ میں تھا، پھر تمام لوگوں کے معاملہ، ان تمام معاملات میں کلام کی بنیاد مال پر ہے حتی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حرام وحلال عورتوں کا ذکر فرمایا تو کلام احکام مال سے نہیں نکلا، اللہ نے جو ان کے لیے (عورتوں) متعین کیا ہے اس کا ذکر کیا، اور جن اجور کا عورتوں کو دینا واجب ہے، اس کا ذکر فرمایا، اور سبب واضح ہے کہ مال، روح (جان) کا فر ہی ہے، اور اس کی زیادتی عداوت ودشمنی کا سبب بنتی ہے، بلکہ کبھی کبھی جرائم کے ارتکاب تک پہونچا دیتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا الٹ پھیر دوا وعلاج کے طریقہ پر کیا ہے نہ کہ ظلم وعداوت کے طریقہ سے، مالی حقوق کے ان تمام انواع واقسام کو ذکر کرنے کے بعد مالی تعامل کا ایک عام ضابطہ ذکر فرمایا ہے چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم....." (تم اپنے مال کو آپس میں ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ تمہاری آپس کی رضامندی سے ہو) ملکیت کے اسباب میں سے تجارت کو خاص کیا کیونکہ تجارت ہی عملی زندگی میں زیادہ واقع ہے اور اس لیے بھی کہ یہ سب سے عمدہ اور اشرف طریقہ ہے کمائی کا۔

"ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيماً" (اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے) امام فخر الرازیؒ فرماتے ہیں کہ وہ نہ کرو جس کے بدلہ میں احسان کے بعد قتل، زنا اور ارتداد کے مستحق ہو جاؤ گے، پھر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے اور اپنی رحمت کی ہی وجہ سے ان کو ان تمام چیزوں سے روکا ہے جن کے بدلہ میں وہ کسی مشقت یا آزمائش کے مستحق ہوں گے۔

اور امام بقاعی "رحیماً" کے معنی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان

ہے اس حیثیت سے کہ اس نے طاعت وفرمابرداری کو تمہارے لیے آسان کر دیا اور تمہیں اس کی توفیق دی، اللہ تعالیٰ نے طاعت وفرمابرداری کے سلسلہ میں ترغیب کو پہونچا دیا، پھر اس نے ضلالت وگمراہی کے مواقع سے ڈراتے ہوئے فرمایا: "ومن یفعل ذلك"۔

مفسرین کا اللہ تعالیٰ کا قول: "ومن یفعل ذلك" کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ اس کی ضمیر "من یقتل أخاه المؤمن ظلماً وعدواناً" کی طرف لوٹ رہی ہے، اور بعض نے کہا کہ ابتداء سورت سے تمام محرکات کی طرف لوٹ رہی ہے، لیکن امام طبری نے راجح قرار دیا کہ ضمیر ان تمام محرمات وتمام منہیات کی طرف لوٹ رہی ہے جو سابقہ آیتوں میں مذکور ہیں اور جن کی ابتداء انیسویں آیت سے ہوتی ہے۔

"وکان ذلك علی الله یسیراً" یعنی جو بھی آیتوں میں مذکور محرمات کا ارتکاب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں تپائے گا اور اس کا اس آگ میں تپانا اور جلانا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے، دشوار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ظالموں کے عذاب دینے کے سلسلہ میں اصطلاح "یسر" کی آیتیں مسلسل وارد ہوئی ہیں، یہاں آیت کی ایک قسم کا ذکر ہے اور یہ قسم وہ ہے جس نے اپنی جان ومال کے ساتھ بخل کیا اور اپنے رب اور اس کی ہدایت سے بے نیاز ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی دعوت کو جھٹلایا وہ اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے لیے جہنم میں لے جانے والے راستہ کو آسان کر دے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین)۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: " وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ" [سورۃ اللیل، آیت: ۸-۱۱] (لیکن جس بخیل نے بے پرواہی برتی اور نیک بات کی تکذیب کی تو ہم بھی اس کی تنگی ومشکل کا سامان میسر کر دیں گے، اس کا مال اسے (اوندھا) کرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا)۔

جو شخص اپنی جان ومال کے ساتھ بخل کرتا ہے اور اپنے رب سے بے نیاز ہو جاتا

ہے اور اس کے دین و دعوت کو جھٹلاتا ہے وہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر شی کو دشوار کر دے، تو اللہ تعالیٰ اس کی تنگی و مشکل کے سامان میسر کر دیں گے اور اسے ہر دشواری کی توفیق دیں گے اور اسے ہر آسانی سے محروم کر دیں گے اور اس کے ہر قدم پر ایسی مشقت و تنگی سے دوچار کریں گے جس کی وجہ سے وہ ہر نیک راہ سے منحرف ہو جائے گا، اگر چہ وہ یہ سمجھے گا کہ کامیابی و کامرانی کی راہ پر چل رہا ہے، وہ ٹھوکر کھائے گا اور ایک ٹھوکر سے دوسرے کسی ایسے ٹھوکر کے ذریعہ بچے گا جو اسے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے دور کرتا چلا جائے گا، پھر وہ جب انحرافات و ٹھوکروں سے اخیر میں گر جائیگا تو اسکا وہ مال اسے بے نیاز نہیں کریگا جس کے ساتھ اس نے بخل کیا ہے، گناہ و معصیت کو آسان کر دینا دشواری و تنگی کو آسان کرنا ہے، اگر چہ وہ اس دنیا میں نجات پالے اور کامیاب ہو جائے لیکن جہنم سے بھی کوئی چیز زیادہ دشوار ہے؟ یقیناً یہی اصل دشواری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " فسنیسرہ للعسریٰ " (عنقریب ہم اسے دشواری کے لیے تیار کر دیں گے)، یسر سے مراد کسی شی کا حصول آسان کر دینا ہے، اور العسریٰ سے مراد وہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور اس سے راضی نہیں ہوتا ہے اور وہ جہنم میں پہنچانے والا ہوتا ہے، لہٰذا وہ انجام کے اعتبار سے صاحب عمل کے خلاف ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بقیع الغرقد میں تھے، کسی جنازہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانہ جہنم یا جنت میں نہ لکھا گیا ہو''، تو صحابہؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! تو ہم توکل نہ کر لیں؟'' تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''عمل کرو، ہر ایک کے لیے وہ چیز آسان کر دی گئی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، پھر تلاوت فرمائی: "فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ"۔ [سورۃ اللیل: ۴-۱۰]

کوئی سوال کرنے والا سوال کرسکتا ہے کہ پھر لوگوں کے اعمال کا کیا فائدہ؟ علامہ ابن عاشور نے یہ کہتے ہوئے جواب دیا ہے کہ عمل صالح کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اچھی عاقبت کا عنوان ہے اور اس کے مقابل یعنی برے اعمال کا بھی فائدہ مکمل کرنے کے لیے ذکر کیا ہے اور یہ (برے اعمال واچھے اعمال) اس میں مشترک ہیں کہ عمل یا تو جنت کے حصول کا ذریعہ ہے یا جہنم میں گرنے کا سبب ہے۔

آیتیں مسلسل اس بات پر دال ہیں کہ مستحقین عذاب کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے اور یہاں سورۂ احزاب کی آیتیں ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے کہہ رہی ہیں جو فاحشہ کا ارتکاب کرکے اپنے اوپر ظلم کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا، اور اسکو دوگنا عذاب دے گا اور یہ بات (دوگنا عذاب دینا) اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا" [سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۰] (اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا ارتکاب) کرے گی اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل بات ہے)۔

یقیناً یہ اس بلند مقام ومرتبہ کی ذمہ داری ہے جس میں وہ ازواج نبی ہیں اور وہ مومنوں کی روحانی مائیں ہیں، یہ دونوں صفتیں ان پر اہم ذمہ داریوں کو واجب کرتی ہیں، ان میں سے کوئی بھی اگر کسی کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی تو دوگنا عذاب کا مستحق ہوگی۔

ابن عاشور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یا نساء النبی کہہ کر مخاطب کیا ہے تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ جو چیز ان کو سنائی جانے والی ہے وہ ان کے بلند مقام ومرتبہ کے مناسب ہے۔

"فاحشة مبينة" سے مقصود نہایت قبیح فعل ہے اور یہ کبیرہ ہے، مبینۃ سے مراد وہ ہے جس کا قبح وفحش بالکل نمایاں وواضح ہو، اور اس سے مراد کبائر کا ارتکاب ہے، دوسرا قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور ان کی استطاعت سے زیادہ ان سے طلب کرنا ہے جس

کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے جیسا کہ ''کشاف'' میں آیا ہے۔

اور امام طبری اس کے معنی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مشہور زنا ہے جس پر اللہ نے حد جاری فرمایا ہے۔

میرے نزدیک راجح فاحشه مبينة سے مراد وہ برائی ہے جس کا فحش وقبح نمایاں وواضح ہو، مثلاً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور جو بھی وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کریں، پھر اللہ تعالیٰ ذکر فرمایا ہے کہ اس فعل کا دوگنا عذاب دیا جائے گا، اس سے عذاب آخرت مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يضاعف لها العذاب ضعفين"۔

فائدہ: اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کے ازواج کو گناہ پر اس آیت میں دوگنی سزا کے ساتھ کیوں خاص کیا؟ "يا نساء النبي من يأت منكن بفاحشة....." [سورۃ الاحزاب: ۳۰]۔

تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ دوگنا عذاب اس لیے ہے کہ وہ گناہوں سے روکنے والے موانع کا مشاہدہ کرتی تھیں جن کا مشاہدہ دوسرے لوگ نہیں کر رہے تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کی معصیت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والا گناہ دوسرے گناہوں سے عظیم تر ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: " وكان ذلك على الله يسيراً" ازواج مطہرات کو دوگنا عذاب دینا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کے عذاب دینے سے ان کا ازواج مطہرات ہونا نہیں روک سکتا۔

اس طرح ہم نے دیکھا کہ ظالموں کو (متعدد صورتوں میں) عذاب دینا اللہ کے لیے دشوار نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بہت آسان ہے، اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، وہ

ہر شی پر قادر ہے، اس میں ظالموں کے لیے، لوگوں کی حق تلفی کرنے اور ناحق مال کھانے والوں، منافقوں، سرکشی اختیار کرنے والوں کے لیے، اور جو اپنی جان و مال کے ساتھ بخل کرتا اور اللہ تعالیٰ کی دعوت کو جھٹلاتا ہے، ان سب کے لیے بھی عبرت ہے، اور ان لوگوں کے علاوہ جن لوگون کو اللہ نے دھمکی دی ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے ان کو عذاب دینا بہت آسان ہے، کوئی شی اس کے بس سے باہر نہیں ہے۔

مومن کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ یوم حساب کا یقین رکھتا ہے اور اس کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو جمع کرے گا اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرے گا، اس سلسلہ میں صاحب العقیدۃ الطحاویۃ فرماتے ہیں کہ ہم قیامت کے دن بعث اور آخرت کے جزاء، اعمال، عرض، حساب، صحیفۂ اعمال کے پڑھے جانے، سزا و جزا اور صراط و میزان پر ایمان و یقین رکھتے ہیں۔

اصطلاح "یســـــر" کی آیتیں قیامت کے دن پیش آنے والے ایسے مشاہدات و مناظر کو بیان کرتی ہیں جو متقاضی ہیں کہ انسان غور و فکر کرتا ہوا ان کے سامنے ٹھہر جائے، قیامت کے دن کے مشاہدات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اسرافیل کو صور پھونکنے کی اجازت دیں گے تو لوگ جمع ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس دن کا وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ دن کافروں کے لیے سخت تر و شدید ترین دن ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ" [سورۃ مدثر، آیت: ۸-۱۰] (پس جبکہ صور میں پھونک ماری جائے گی تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا (جو) کافروں پر آسان نہ ہوگا) "نقر في الناقور" کا وہی معنی ہے جس کی تعبیر بہت سی جگہوں پر نفخ صور سے کی گئی ہے، یہاں "نقر في الناقور" کی تعبیر زیادہ سخت ہے، آواز کی شدت اور اس کی گونج کی وجہ سے گویا کہ وہ ایسا پھونک جو گونج رہی ہے اور آواز نکال رہی ہے، اور وہ آواز جو کانوں پر چوٹ مارتی ہے، تاثیر کے لحاظ سے اس

آواز سے زیادہ سخت ہوتی ہے جسکو کان سنتے ہیں، اسی وجہ سے بیان کیا گیا کہ وہ دن کافروں کے لیے بڑا سخت ترین دن ہوگا۔

اس سختی کو مؤکد کیا گیا اس طور پر کہ اس میں آسانی کا کوئی سایہ بھی نہ ہوگا، "علی الکافرین غیر یسیر" وہ پورا پورا سخت ترین دن ہوگا جس میں کوئی آسانی نہیں ہوگی، اور اس دشواری وسختی کے معاملہ کی تفصیل کی گئی بلکہ اسے ویسے مجمل ومجہول چھوڑ دیا گیا جو تنگی ودم گھٹنے کی طرف مشیر ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے قول: "غیر یسیر" کا کیا فائدہ ہے؟ جبکہ کلمہ عسیر اس سے بے نیاز کر رہا ہے؟

امام زمخشری نے اسکا جواب دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "علی الکافرین" تو سختی کو ان کے لیے خاص کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "غیر یسیر" تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ دن کافروں کے لیے ویسا نہیں ہوگا جیسا کہ مومنوں کے لیے آسان ہوگا، اور تا کہ کافروں کی وعید ان کی زیادتی غیض وغضب اور مومنوں کی بشارت اور ان کی تسلی کا جامع ہو، اس سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے وہ ایسا دشوار ترین دن ہوگا جس کا آسانی سے بدلنے کی کوئی امید نہیں ہوگی جیسا کہ دنیاوی امور کی سختی کی آسانی سے بدلنے کی امید ہوتی ہے۔(۱)

اور فائدہ کی تکمیل کے لیے ابن عاشور نے فرمایا کہ: "غیر یسیر" "عسیر" کے معنی کی تاکید ہے اور یہ غرائب الاستعمال میں سے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: "عاجلاً غیر آجل"۔(۲)

قرآن میں قیامت کے دن پیش آنے والے واقعات کے بیان میں حوادث مسلسل آئے ہیں انہیں واقعات میں سے اس دن مخلوق سے زمین کا پھٹنا ہے تو وہ اس سے (زمین) دوڑتے ہوئے حشر کی طرف تیزی سے نکل پڑے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یَوْمَ تَشَقَّقُ الأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعاً ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ" [سورۃ ق، آیت:۴۴] (

جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے (نکل پڑیں گے) یہ جمع کرنا ہم پر بہت ہی آسان ہے)۔

یہ آیت اور اس جیسی دوسری آیتیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے دن کے جھٹلانے والوں کے اصلاح وتدبیر کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، اس آیت میں بعث بعدالموت سے حساب کے دن تک کے حوادث میں تین دوسرے حوادث کا اضافہ ہے۔

(۱) ان لوگوں سے زمین کا پھٹنا جو مردہ تھے تاکہ وہ اس سے (زمین سے) اس طرح اگیں گے جس طرح کاشت زمین سے اگتی ہے۔

(۲) ان کا زمین سے بغیر کسی تاخیر کے تیزی کے ساتھ نکلنا اور یہ اس بات پر دال ہے کہ ان کے زمین سے نکلنے اور ان کے جسموں کو مکمل ہونے میں کوئی لمبا وقت نہیں لگے گا بلکہ وہ تیزی سے مکمل ہو جائیں گے۔

(۳) وہ نکلنے کے بعد جمع ہونے کہ خاص جگہ میں جمع کیے جائیں گے۔

امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اس امر عظیم جیسا عمل صرف اسی ذات کے لیے آسان ہوگا جسکو کوئی مصروفیت دوسری مصروفیت سے نہیں روک سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" [سورۃ لقمان، آیت: ۲۸] (تمہاری پیدائش اور مرنے کے بعد جلانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا)۔

اور امام فخر الرازی اللہ تعالیٰ کے اس قول کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: "علینا" وہ ہمارے لیے آسان، ہمارے غیر کے لیے نہیں، قیامت کے دن حشر وجمع سے مراد بعض اجزاء جسم کو بعض کے ساتھ جمع کرنا ہے، ہر روح کو اس کے جسم کے ساتھ جمع کرنا ہے، متفرق امتوں کو بوسیدہ وٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جمع کرنا ہے، جمع کرنے میں سب یکساں ہیں۔

اس آیت نے واضح کر دیا کہ لوگوں کا قیامت کے دن حساب کے لیے جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے، دشوار نہیں، قرآن کریم میں مسلسل حوادث بیان کیے گئے

ہیں تا کہ یہ ہمیں لوگوں کا اپنے رب کی طرف لوٹنے کو تفصیل سے آگاہ کر دیں جہاں دو طرح کے لوگ ہوں گے: (۱) مومن ہوں گے، (۲) کافر ہوں گے، مومن اپنا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں لے گا اور کافر بائیں ہاتھ میں، اصطلاح "یسر" مومنوں کے حال کے بیان میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَّسِيراً وَّيَنقَلِبُ إِلَى أَهْلِهِ مَسْرُوراً" [سورۃ الانشقاق، آیت: ۷-۹] (تو (اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا)۔

وہ خوش بخت ہوگا جو ایمان لایا اور اچھے اعمال کیے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گیا اور اس نے اس کے لیے نجات لکھ دیا، تو اس کا محاسبہ آسان ہوگا، لہٰذا اس کا محاسبہ نہیں ہوگا اور نہ اس سے بحث ومباحثہ کیا جائے گا اور نہ اس کا حساب باریکی سے لیا جائے گا، اس کی تصویر پیش کرنے والے وہ آثار ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس کے حساب کا مناقشہ ہوگا اس کو عذاب دیا جائے گا''، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: ''میں نے پوچھا کیا اللہ نے ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ عنقریب آسان حساب کا مناقشہ ہوگا اس کو عذاب دیا جائے گا، اور اس طرح ان سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نفل نماز میں کہتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! ہم سے آسان حساب لے''، جب وہ لوٹ کر آئے تو میں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! آسان حساب کیا ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس کے نامۂ اعمال میں غور کیا جائے پھر اس سے تجاوز کر دیا جائے، اور اے عائشہ! جس کے حساب کا اس دن مناقشہ ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا''۔

اور حساب یسیر سے مراد اس کے نامۂ اعمال کو اس پر پیش کرنا ہے بغیر کسی مناقشہ ومباحثہ کے، لہٰذا اس کا زمانہ لمبا نہیں ہوگا اور اس کو جلد جنت میں پہنچا دیا جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ

اس کے اعمال اچھے ہوں گے، لہٰذا حساب یسیر مؤاخذہ نہ کیے جانے سے کنایہ ہے۔

اور امام بقاعی "حساباً یسیراً" کے معنی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں یعنی آسان ہوگا اس کے اعمال کے سلسلہ میں نقاش نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ وہ اپنا محاسبہ کیا کرتا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہیں ہوئی مگر سہواً، اسی وجہ سے اس کے اعمال پیش کیے جائیں گے تو ان سے اچھے اعمال قبول کر لیے جائیں گے اور برے صاف کر دیے جائیں گے، اپنے اہل و عیال کے پاس وہ ہنسی خوشی لوٹے گا اس لیے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وینقلب إلی أهله مسروراً" انقلاب اسی مکان کی طرف لوٹنے کے معنی میں ہے جس سے وہ لایا گیا تھا، اہل کہتے ہیں خاندان کو یعنی بیوی، اولاد اور رشتہ دار آیتیں مسلسل مومنوں کے بدلے کے بارے میں بیان کر رہی ہیں، ان مومنوں کے بارے میں جو دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیک بات کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو پاک کرنے کے لیے استطاعت بھر خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ" [سورۃ اللیل، آیت ۵-۷] (جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے) اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا تو ہم بھی اس کو آسان راستہ کی سہولت دیں گے)۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی، عامر بن عبداللہؓ اپنے بعض اہل سے روایت کرتے ہیں ابوقحافہ نے اپنے بیٹے ابوبکر سے کہا: ''اے میرے بیٹے! تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو، اگر تم طاقتور لوگوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہاری حفاظت کرتے، تمہاری حمایت و دفاع میں کھڑے ہوتے''، ابوبکرؓ نے جواب دیا: ''اے میرے والد! میں جو بھی کرتا ہوں خاص مقصد کے تحت کرتا ہوں''، راوی کہتے ہیں کہ یہ آیتیں انہیں (ابوبکر) کے بارے میں نازل ہوئیں اور اس کے بارے میں نازل ہوئیں جو ان سے ان کے والد نے کہا۔

یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب پر مشتمل ہیں بشرطیکہ یہ خرچ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کا وہ نتیجہ ہو جو حسنی کی تصدیق کے آثار میں سے ہے، جو یہ خرچ کرتا ہے اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اور عقیدہ کی تصدیق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے عنقریب آسانی کے لیے تیار کر دے گا۔

"نیسرہ" سے مقصود "فسنیسرہ" ہے یعنی ہم اس کو تیار کر دیں گے، "یسریٰ" اس عمل کو کہتے ہیں جس میں کوئی مشقت نہ ہو اور اس کو مؤنث اس لیے لایا گیا وہ الحالۃ کی تاویل میں ہے یعنی ایسی حالت جو اس کے لیے آخرت میں شاق نہیں ہوگی اور حالۃ النعیم ہے یا وہ مکانۃ کی تاویل میں ہے، "یسریٰ" کی تفسیر جنت سے ہی کی گئی ہے، یہ لفظ بہت سے ایسے معانی کا حامل ہے جو اس نفع کے معانی میں شامل ہیں جو صاحب نفع کے لیے مناسب ہو۔

اور جس کو اللہ تعالیٰ نے آسانی کے لیے تیار کر دیا ہے وہ پہنچ گیا، وہ آسانی سے پہنچ گیا، وہ پہنچ گیا حالانکہ ابھی وہ اسی دنیا میں ہے اور اس نے آسانی کے ساتھ زندگی گزاری، اس کے دل سے آسانی کا سیلاب اس کے اردگرد چیزوں اور اردگرد لوگوں پر امڈ رہا ہے، اس کے قدم میں آسانی ہے، اس کے راستہ میں آسانی ہے، اس کے تمام معاملات کے کرنے میں آسانی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حساب کے لیے لوگوں کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے اور قیامت کا دن کافروں کے لیے نہایت دشوار و سخت ترین دن ہوگا، اور مومنوں کے لیے نہایت آسان ہوگا اور مومن سے اس دن آسان حساب ہوگا۔

لہٰذا یہ آسانی لوگوں کے جمع کرنے میں ہوگی، متقی مومن کے حساب میں ہوگی اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے تجاوز فرمائے گا اور اس کی مغفرت کر دے گا اور اس کو امن و سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا۔

ارادۂ خلق میں: اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسانوں کے ارادہ کی طرح نہیں ہے، اسی کے

اختیار میں سارا معاملہ ہے، پوری مخلوق اسی کی ہے اور وہ تن تنہا مخلوق کے امور کی تدبیر میں تصرف کرنے والا ہے، اس کے ارادہ کی کوئی حد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنا وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ با اختیار ارادہ کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وربك يخلق ما يشاء" [سورۃ القصص، آیت: ۶۸] (آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن ربك فعال لما يريد" [سورۃ ہود، آیت: ۱۰۷] (یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے) اس کے علاوہ بھی آیتیں ہیں۔

جب ہم اس وسیع و عریض کائنات میں غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس میں ہر شئ خلق ربانی کے قوانین اور اس کے اس نظام کے تابع ہے جس پر اللہ نے اس کائنات کو چلانا چاہا ہے۔

کوئی بھی شئ خلق ربانی کے نظام سے اور اس کے قوانین سے بال برابر بھی آزاد نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ وہ چیز بغیر کسی کے اختیار کے چلائی گئی ہے۔

کیا ہم کواکب و نجوم کا چلنا نہیں دیکھ رہے ہیں؟ ان میں کوئی ایسا ہے جو اپنے دائرہ سے نکل سکتا ہو یا اپنے نظام کو بدل سکتا ہو؟ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کا ارادہ کرے، یہی حال فطری نظام و قوانین کا ہے اللہ تعالیٰ کا قول: "ولو شاء لجعله ساكناً" (اگر آپ کا رب چاہتا تو سایہ کو ثابت و دائم کر دیتا)، اور یہ اس وقت ہوتا جبکہ زمین سورج کا نظام دوسری صورت پر رکھا جاتا جس کے ساتھ سایہ زمین پر ہمیشہ ساکن و غیر متحرک رہتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا اس لیے کہ دنیاوی زندگی کا نظام اسی کا فیصلہ ہے۔

اصطلاح "یسیر" کی آیتیں اس کائنات کے چلانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و کاریگری کو ہی بتانے کے لیے آئیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا قول: " أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِناً ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلاً ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضاً يَسِيراً" [سورۃ الفرقان، آیت: ۴۵-۴۶] (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے

سائے کو کس طرح پھیلا دیا ہے؟ اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہی کر دیتا، پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا، پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا)۔

"ألم تر إلى ربك كيف مد الظل" کیا تم نے اللہ کی قدرت و کاریگری کو نہیں دیکھا، اور مد الظل کا معنی یہ ہے کہ اس کو پھیلنے والا بنا دیا تو لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

السرؤیة سے مراد نگاہ سے دیکھنا ہے، اور مد کہتے ہیں سمٹی ہوئی ایک دوسرے میں گھسی ہوئی شی کو پھیلانا اور سایہ کی مقدار میں اضافہ کرنا ہے۔

سید قطبؒ نے ظل کے مفہوم کو واضح کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ظل کہتے ہیں اس ہلکی تاریکی کو اور یہ سایہ زمین کی حرکت کے ساتھ سورج کے مقابلہ میں حرکت کرتا رہتا ہے، تو اس کی حالتیں اور شکلیں بدلتی رہتی ہیں اور سورج اپنی روشنی و گرمی سے اس پر دلالت کرتا ہے، سایہ کے سمٹنے اور پھیلنے سے دل میں راحت و طراوٹ پیدا ہوتی ہے، اور یہ قادر مطلق کی کاریگری کے تابع ہوتی ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ سایہ کو قائم کر دیتا تو بہت سے عظیم فائدے معدوم ہو جاتے، جیسے دن کے نمازوں کو اوقات کی جانکاری کی نعمت اور لوگوں کے اعمال کے اوقات وغیرہ، قرآن کا ظل سے استدلال تاریکی کے استدلال سے زیادہ نافع و مفید ہے، اس لیے تاریکی نام ہے ایسے عدم کا جس کا جمال احساس و شعور کو حاصل نہیں ہوتا، بخلاف ظل کے کہ وہ تاریکی اور نور کا جامع ہے، لہٰذا اس کی دونوں دلالتیں واضح و نمایاں ہیں، لہٰذا نباتات، ذی روح اور اشیاء کی بہت سی ضرورتیں سورج کی کرنیں ان تک پہنچنے سے مربوط ہیں اس نظام کے ضمن میں جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وضع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "ثم جعلنا الشمس عليه دليلاً" جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس سایہ کو ختم کر دیتا ہے، وہ بھی اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے، اللہ جب چاہتا ہے

اس کو وجود بخشتا ہے اور جب چاہتا ہے فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

اس پر سورج کی وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر سورج اس کو زائل نہ کرتا تو تم کو معلوم نہیں ہو پاتا کہ وہ بھی کوئی موجود شئی ہے، اس لیے کہ اشیاء اپنی ضد سے جانی جاتی ہیں، لہٰذا مٹھاس کھٹے پن سے اور ٹھنڈی شئی گرم شئی سے جانی جاتی ہے اور یہاں ہم نے سایہ کو سورج کے ذریعہ جانا۔

اللہ تعالیٰ کا قول: " ثم قبضناہ إلینا قبضاً یسیراً " قبضناہ کی ضمیر ظل کی طرف لوٹ رہی ہے، سایوں اور سورج کا مشاہدہ غروب کی طرف مائل ہوتا ہے، یہ لمبا ہوتا ہے اور لمبا ہوتا جاتا ہے، پھیلتا ہے اور پھیلتا جاتا ہے، پھر ایک ہی لمحہ کے بعد انسان دیکھتا ہے تو وہ اس کو نہیں دیکھتا جانے کہاں چلا جاتا ہے؟ وہی مخفی ہاتھ جس نے اس کو پھیلایا تھا، سمیٹ لیا اور وہ قدرت کا زبردست طاقتور ہاتھ ہے۔

یہ توجیہ اس صورت حال کی ہے جس کا ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں اور غفلت کے ساتھ اس سے گزر جاتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے اردگرد کائنات سے متعلق، ہمارے احساس وشعور کے زندہ کرنے کا قرآنی منہج کا ایک حصہ ہے اور اس زبردست وسیع وعریض اور عجیب کائنات سے دلوں اور عقلوں کو مربوط کرنے کا ایک حصہ ہے۔

ابن عاشور فرماتے ہیں کہ یہاں قبض کو یسر کے ساتھ متصف کرنے کا محل اس بات پر دال ہے کہ یہ قبض (سمیٹنا) آہستہ آہستہ بغیر تیزی واچھال کے ہوتا ہے، اس لیے کہ آہستہ آہستہ سمیٹنے میں سمٹنے کی آسانی ہوتی ہے کیونکہ انسان کے لیے حصوں میں کام کرنا ایک ساتھ کرنے کے مقابلہ میں عموماً زیادہ آسان ہوتا ہے، لہٰذا یسر کا اطلاق کیا گیا اور اس سے اس کا لازمی معنیٰ عرفاً مراد لیا گیا۔

اس طرح واضح ہو گیا کہ کلمۂ یسر سایہ کو آہستہ آہستہ بتدریج سمیٹنے کی آسانی کے لیے آیا ہے اور یہ عمل نہایت آسانی ونرمی سے مکمل ہو جاتا ہے۔

درج ذیل آیت اللہ کی عظیم قدرت کو واضح کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۂ ذاریات کی ابتداء میں چار قوتوں کی قسم کھائی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:" وَالذَّارِيَاتِ ذَرْواً فَالْحَامِلَاتِ وِقْراً فَالْجَارِيَاتِ يُسْراً فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْراً "[سورۃ الذاریات، آیت: ۱-۴] (قسم ہے بکھیرنے والیوں کی، اڑا کر پھر اٹھانے والیوں کی، بوجھ کو لے کر چلنے والیاں، نرمی سے پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں)۔

اللہ تعالیٰ ان ہواؤں کی قسم کھا رہا ہے جو گرد و غبار اور پانی سے بھرے بادلوں اور بہت سی ان چیزوں کو جن سے انسان ناواقف ہے، اڑاتی ہیں، اور ان بادلوں کی قسم کھا رہا ہے جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں جن کو اللہ جہاں چاہتا ہے ہنکا کے لے جاتا ہے، اور ان کشتیوں کی قسم کھا رہا ہے جو آسانی کے ساتھ اس کی قدرت سے اور ان خصوصیات کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے پانی میں پوری کائنات میں اور کشتیوں میں ودیعت رکھی ہے، پانی کی سطح پر چلتی ہیں۔

"الجاریات یسراً" کے معنی میں یہی کشتیاں ہیں جو سمندر میں آسانی کے ساتھ چلتی ہیں۔

ماسبق کی تفاصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ارادہ خلق، سایہ کو سورج کے طلوع کے وقت سمیٹنا، پانی پر کشتیوں کا چلنا اور ان کے علاوہ سارے اعمال و امور اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہیں، دشوار نہیں ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود

اس بات پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام ممکن وغیر ممکن اشیاء، موجودات وغیر موجودات، کلیات وجزئیات سب کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ازلی و ابدی ہے جو کچھ اس وسیع و عریض کائنات میں ہے، جو پیش آچکا ہے یا آنے والا ہے اور کیسے پیش آئے گا سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، لہٰذا اس کے علم کا کوئی حد و انتہاء نہیں ہے، بندوں کی جو بھی عمریں ہیں، اعمال و ارزاق ہیں، پریشانی و سعادت ہیں، وہ اہل جہنم میں سے ہے یا اہل

جنت میں سے سب اللہ کے علم میں ہے، کوئی شی اس سے مخفی نہیں ہے، اسے غیب وموجود کا یکساں علم ہے، لہٰذا دونوں علم اس کے مساوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ" [سورۃ الحج، آیت: ۷۰] (کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے، یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمارے اپنے علم کی وسعت کو واضح کیا ہے، اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ آسمان وزمین میں پیش آنے والی چیزیں اور ان میں جو بھی موجودات ہیں سب کا اللہ تعالیٰ کو بالتفصیل علم ہے، اور ان تمام چیزوں کا علم لوح محفوظ میں ہے، کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جیسا کہ امام زمخشری اور امام مراغی اور دوسرے علماء کرام کو قول ہے۔

ابن عاشور اللہ تعالیٰ کا قول: " إن ذلك في كتاب" کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ یہ جملہ ماقبل جملہ کی وضاحت ہے، اس لیے کہ کتاب کی شان یہ ہے کہ اس میں کمی وزیادتی کا احتمال نہ ہو اور یہ وہی کتاب ہے جس میں تمام اعمال محفوظ ہیں۔

امام فخر الرازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب پہلے فرمایا: "اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" [سورۃ الحج، آیت: ۶۹] (اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا)، پھر اس کے بعد اس کو بیان کیا جس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اس بدلہ سے خوب واقف ہے جس کا وہ مستحق ہے، لہٰذا ان کے درمیان اس کی طرف سے عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا، ظلم وجور کے ساتھ نہیں ہوگا، لہٰذا اس نے اپنے سے کہا: "ألم تعلم أن الله يعلم ما في السماء والأرض....." (کیا آپ نے نہیں جانا کہ اللہ زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ جو بھی واقع ہوتا ہے یا پیش آتا ہے وہ سب لوح

محفوظ میں ہے، لہٰذا وہ واقع ہونے سے پہلے اللہ کے علم میں ہے۔

جب انسان بھولتا ہے اور وہ معاملات کو بغیر لکھے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی سے مخاطب کیا نیز اس میں اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب قدرت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إن ذلك" یعنی عظیم معاملہ "في كتاب" لوح محفوظ میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو لکھ دیا ہے جس کے واقع ہونے کا واقع ہونے سے پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے اور اس کے اجزاء کو لکھ دیا ہے اور جب انسان کے لیے ان چیزوں کا جمع کرنا کسی کتاب میں دشوار تھا تو اس کو واقف کرا دیا کہ یہ اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے یعنی عظیم معاملہ کا علم بغیر لکھے یا کسی کتاب میں جمع کیے اس سے واقع ہونے سے پہلے اور بعد اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔

لہٰذا قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لوح محفوظ میں محفوظ رکھنا، اللہ تعالیٰ کے بہت ہی آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کے سلسلہ میں مسلسل آیتیں قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَاللّٰهُ خَلَقَكُم مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجاً وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ" [سورۃ فاطر، آیت: ۱۱] (لوگو! اللہ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے، پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا ہے، عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس کے علم سے ہی ہے اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ پر یہ بات بالکل آسان ہے)۔

یہ آیت انسان کی نشأۃ اولیٰ اور تکوین کی اصل کے بارے میں بتا رہی ہے اور اس میں انسانی اصل کا ذکر ہے اور وہ مٹی سے جو ابو البشر آدم علیہ السلام کی پیدائش کی اصل ہے پھر یہ آیت خلق انسانی کے مراحل کو ذکر کرتی ہے تو پہلے نطفہ کا ذکر ہے پھر دوسری چیزوں کا۔

ابن عاشور کہتے ہیں: "ثم من نطفة" کا مفہوم یہ ہے کہ اس نطفہ کو جوڑنے کے لیے تم کو میاں بیوی بنادیا، نوع انسانی کی کاریگری کا باریکی سے استدلال خالق کی وحدانیت کے عظیم دلائل میں سے ہے اور صرف نوع انسانی کی تخلیق کی کاریگری میں غور کرنا بقیہ حیوانوں میں غور کرنے سے بے نیاز کردیتا ہے۔

خواہ اس سے مقصود یہ ہو کہ اس نے تم کو ماں کے پیٹ میں مذکر ومؤنث (مرد، عورت) بنادیا، یا یہ ہو کہ ولادت کے بعد تم کو میاں بیوی بنادیا۔

انسان جب درخت، پرندے، جانور، انسان اور دوسرے حیوانات میں غور کرنے لگتا ہے پھر تصور کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی عمر کم یا لمبی قضاوقدر کے فیصلہ کے مطابق ہوتی ہے سب لوح محفوظ میں محفوظ ہیں، "في كتاب" میں کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ علم ہے جس سے کائنات کا کوئی ذرہ مخفی نہیں ہے اور نہ لکھے ہوئے میں کوئی کمی یا زیادتی ہوسکتی ہے۔

اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودات ہی کو ان کتابوں کی طرح کردے جس میں مدتیں تفصیل سے لکھی جاتی ہیں اور اللہ کے لیے بہت آسان ہے، اس لیے فرمایا: "إن ذلك على الله يسير" یعنی ان کو لکھنے میں اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی دشواری ہوتی ہے اور نہ تکان لاحق ہوتی ہے۔

اس طرح آیتیں مسلسل بیان کررہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ہر ذرہ پر محیط ہے، کوئی ایسا حادثہ کائنات میں پیش نہیں آتا جس کا پہلے سے اللہ تعالیٰ کو علم نہ ہو، صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے متعلق قضاوقدر کے فیصلوں کو زمین وآسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار پہلے لکھ دیا ہے، اور اس نے ارشاد فرمایا: ''اور اس کا عرش (تخت) پانی پر ہے''۔

اللہ کا فرمان ہے: " وَمَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الأَرْضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ" [سورۃ الحدید، آیت:۲۲] (نہ

کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا علم زمین وآسمان میں جو کچھ ہے، انسان کے تخلیقی مراحل اور انسان کی معینہ مدتوں سے قاصر نہیں ہے بلکہ ان سے تجاوز کر چکا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کائنات جو کچھ بھی پیش آتا ہے اور اس میں آسمانی وزمینی جو بھی مصیبت لاحق ہوتی ہے وہ سب اللہ کے پیدا کرنے سے پہلے سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں، آسمانی مصیبت جیسے برق وباد ہے، زمینی مصیبت قحط ہے، غلے اور پھلوں کی کمی ہے، قیمتوں کا حد سے بڑھ جانا ہے اور مسلسل بھوک کا سامنا کرنا ہے اور جانی مصیبت بیماریاں، موت وفقر اور اولاد کا ختم ہو جانا ہے۔

"إلا في كتاب" سے مراد لوح محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ کا کامل وشامل علم اس لوح محفوظ میں ہے، "في ذلك الكتاب" اللہ تعالیٰ کے علم سے کنایہ ہے، دونوں میں وجہ شبہ کسی تخلف وتبدیلی کو قبول نہ کرنا ہے۔

"من قبل أن نبرأها" زمین اور جانوں کے ان کی اصلی شکل میں ظاہر ہونے سے پہلے اور زمین وجان اس مصیبت کے ظاہر ہونے سے پہلے۔

"إن ذلك" یعنی اس کا اندازکرنا اور لوح محفوظ میں اس کا باقی رکھنا اللہ تعالیٰ کے لیے نہایت آسان ہے اگرچہ دوسروں کے لیے دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

اہل توحید کے جمہور نے اس آیت سے اس کا استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم ان کے پیش آنے سے پہلے سے ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیش آنے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیا اور وہ لوح محفوظ کے مطابق پیش آئیں تو ہم نے جان لیا کہ ان تمام کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اس طرح مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ کائنات میں پیش آنے والی تمام چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔

قرآن کریم سے تعلق میں آسانی

ساری تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجا تا کہ وہ عظیم کتاب۔جس کے آگے پیچھے سے باطل کا گزر نہیں۔ کی تعلیمات، ہدایات اور پیغامات کو لوگوں تک پہونچادیں، قرآن کریم امت کے لیے ایک دستور حیات ہے، کتاب زندگی ہے، کتاب دعوت ہے، زندوں کا خطاب وطریقہ ہے تا کہ وہ اسی کی بنیاد پر زندگی گزاریں اور اپنی زندگی میں اس سے سعادت حاصل کریں، ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن کو کتاب ہدایت وارشاد سمجھیں اور اس کو کسی دوسری علمی کتاب کی طرح نہ سمجھیں، وہ تمام لوگوں کی رہنمائی کرنے والی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس میں غور وخوض کرنے، اس کی آیتوں کے سامنے دیر تک ٹھہرنے، اس کے معانی، حقائق اور ارشادات وتوجیہات میں غور کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سبب وعلت کی نشان دہی کردی ہے جو ہمارے اور تدبر قرآن کے درمیان حائل ہے، اور یہ دلوں پر تالوں کا پڑ جانا ہے، اور یہ تالے خواہشات ومعاصی، دنیا کی طرف حد سے زیادہ مائل ہونا اور دلوں کو دنیاوی چیزوں سے اس طرح بھر لینا ہے کہ اس میں تدبر، ہدایت اور ایمان کی گنجائش ہی نہ ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا" [سورۃ محمد، آیت:۲۴] (کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں؟) اس انسانیت کی فطری تالے اللہ تعالیٰ ہی کے چابھیوں سے کھل سکتے ہیں، ان کی بیماریوں کا علاج اللہ ہی کی تجویز کردہ دواؤں سے ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے منہج وطریقہ ہی میں ہر قفل کی

چابیاں اور ہر بیماری سے شفا رکھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ" [سورۃ الاسراء، آیت:۸۲] (یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا و رحمت ہے)۔

اور امام مسلمؒ نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ: ''تم قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن پڑھنے والوں کے لیے سفارشی ہوگا۔''

اور امام بخاریؒ نے عثمان بن عفانؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس نے قرآن مجید سیکھا اور سکھلایا''۔

اللہ تعالیٰ ہم سے پہلے اہل کتاب کی اللہ کی کتاب سے اعراض، دنیا کی طرف متوجہ ہونے، مال جمع کرنے، اتباع کتاب کے علاوہ میں مشغول ہونے کی مذمت کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَناً قَلِيْلاً أُوْلٰئِكَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ وَلَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ" [سورۃ آل عمران، آیت:۷۷] (بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے)۔

ماسبق تفصیل سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس میں غور و خوض کرنے پر ابھارا ہے، اور اس کے بالمقابل اس کو یاد کرنا اور سمجھنا آسان کر دیا ہے۔

پہلی فصل: (قرآن) اس کے سمجھنے، اس میں غور و خوض کرنے اور اسے یاد کرنے کے سلسلہ میں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ"

[سورۃ الفرقان، آیت:۵۸] (ہم نے اس کو (قرآن) تیری زبان پر آسان کر دیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں)، سورت کی ابتدا کتاب کے ذکر سے ہوتی ہے اور یسرناہ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے جو سیاق سے سمجھ میں آ رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مذکور ہے: "وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ" [سورۃ الدخان، آیت:۲-۳] (قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے) اللہ نے اسے انذار و تذکیر کے لیے نازل فرمایا ہے، یہ آیت ہمیں اللہ تعالیٰ کے قرآن کو آسانی کی نعمت کی یاد دلاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو آپ کی عربی زبان میں اتارا، آپ کی زبان کے ذریعہ اس کا پڑھنا، اس کی تلاوت کو آسان کر دیا تا کہ آپ کی قوم اسے سمجھے اور اس سے عبرت حاصل کرے۔

فائدہ: إنما میں قصر قلب ہے، اور مشرکین کی رد ہے کیونکہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے مشرکین کے لیے اس کے سمجھنے کے طریقہ کو آسان کیا گیا تھا، لیکن مشرکوں نے اس کا سامنا شک و استہزاء سے کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت کی ابتدائی حصہ میں اپنے اس قول سے بیان فرمایا ہے: "بل هم في شك يلعبون" [سورۃ الدخان، آیت:۹] (بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں) ہم نے فصیح عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا اور عربی انہیں کی لغت ہے تا کہ نصیحت و عبرت حاصل کریں، لیکن انہوں نصیحت حاصل نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْماً لُّدّاً" [سورۃ مریم، آیت:۹۷] (ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا ہے کہ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا دے)۔

اللہ تعالیٰ کا قول: "فإنما يسرناه بلسانك" کو ہم اس سے قبل آیت میں واضح کر چکے ہیں لہٰذا دوبارہ ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ابن عاشور نے ماسبق تفصیل میں

اضافہ فرمایا ہے اسے ہم فائدہ کے لیے یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

انہوں نے فرمایا: اللسان سے مراد لغت (زبان) ہے یعنی آپ کی عربی زبان میں، اس لیے کہ قرآن کا افضل و افصح لغت (زبان) میں نازل ہونا اس کا تمام کتابوں سے افضل ہونے کے اسباب میں سے ہے، اور اس کتاب کے حفظ و تلاوت کو اتنا آسان کر دیا گیا جتنا کسی دوسری کتاب کو آسان نہیں کیا گیا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرہیزگار مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بدلہ کی بشارت دیں اور اپنی قوم قریش کو اس کے ذریعہ اللہ کے عذاب سے ڈرائیں کیونکہ وہ جھگڑالو قوم ہیں۔

"الد" کہتے ہیں باطل کے ذریعہ سخت جھگڑالو کو، کفار کی تعبیر "قوم لد" سے ان کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ وہ تکبر و گھمنڈ والے اور باطل پر جمنے والے ہیں۔

لطیفہ: آیت سابقہ میں "متقین" کا "قوم لد" سے بہتر مقابلہ ہے اس لیے کہ تقویٰ نام ہے اطاعت و فرمانبرداری کا، اور شرک نام ہے نافرمانی و جھگڑے کا، ان کے لیے لفظ "قوم" استعمال کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ لڑنا جھگڑنا ان کی فطرت ثانیہ ہے، اور اسی سے ان کی قومیت تیار ہوئی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا قرآن کے حصول اور اس میں تدبر کو آسان کرنے کے بیان میں آیتیں مسلسل وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ" [سورۃ القمر، آیت: ۱۷] (اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے)، یہ آیت سورہ قمر میں چار بار آئی ہے۔

یہ وہی قرآن کریم ہے جس میں تلاوت کی کشش ہے، تدبر کی گہرائی ہے، سادگی کی پُرکاری ہے، فطرت کے موافق ہے، دل اس میں جب بھی غور و فکر کرے گا، ایک نیا زاویہ لے کر لوٹے گا، اور جب بھی اس کا ذہن اس کے ساتھ ہوگا اس سے اس کی الفت و انسیت میں اضافہ ہوگا، وہ دل میں گھر کرتا چلا جائے گا، اس کو سننے میں لذت محسوس ہوتی ہے، اور جو

اسے نہیں سمجھتا ہے، بہ تکلف سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور جو اس کو سنتا اور سمجھتا ہے اس سے اکتاتا نہیں ہے اور یہ نہیں کہتا ہے کہ ہم نے جان لیا ہے، لہٰذا اب اس کو نہیں سنوں گا بلکہ ہر گھڑی اس کی لذت وعلم میں اضافہ ہوتا ہے، اور (قرآن) بغیر کسی تحفظ کے قوت سامعہ پر اثر انداز ہو جاتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مومن پوری دلچسپی اور تاثر کے ساتھ تلاوت کرتا ہے اور اس کی تلاوت سے اکتاتا نہیں ہے، بلکہ تمنا کرتا ہے کہ اس کی تلاوت جاری رکھے، وہ قرآن ختم کرتے ہی پھر اس کی تلاوت پورے تاثر کے ساتھ شروع کرتا ہے، یہی حال اس کا دنوں، مہینوں اور سالوں میں رہتا ہے، قرآن کے علاوہ کیا کوئی ایسی کتاب ہے جس کی انسان ہر مہینہ تلاوت کرتا ہو اور پڑھتا ہو اور ہر بار نئے تاثر کے ساتھ شروع کرتا ہو؟

یقیناً قرآن کا پڑھنے والا اس کی تلاوت میں اکتاتا نہیں ہے کیونکہ وہ تلاوت، ذکر اور سننے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ اور ایک قول ہے کہ ہم نے اس کو یاد کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے اور جو اس کو یاد کرنا چاہتا ہے ہم اس کی مدد کرتے ہیں، تو کیا کوئی اس کے حفظ کا طالب ہے کہ ہم اس کے لیے اس کو آسان کر دیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہم نے اس کو سمجھنے اور اس میں غور وفکر کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔

القشیری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے لیے قرآن کریم کا پڑھنا اور کچھ لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر ہونا اور کچھ لوگوں کے لیے اس کا سمجھنا اور کچھ لوگوں کے دلوں پر اس کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے، لیکن کہاں ہیں وہ لوگ جو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اس کے سہل وآسان منہج سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

"فھل من مدکر" مدّکر کے معنی آیت میں متذکر ہے، کیا ہے کوئی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا جو نصیحت حاصل کرے اور اس میں موجود عبرتوں سے عبرت حاصل کرے؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو اس سے نصیحت حاصل کریں؟ اور ان معانی کو جانیں اور اس کے نتیجہ میں قرآن کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے آسان کیے جانے کا ادراک کریں؟

یہ آیت سورۂ فجر میں چار بار وارد ہوئی ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ چار جملوں سے ایک ہی سبق ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نصیحت وعبرت کے حصول کو آسان کرنے کے لیے تفصیل بیان فرمایا ہے، اس کی متعدد حکمتیں ہیں۔

دوسری بحث اس کی تلاوت کے سلسلہ میں: سورہ مزمل میں نماز میں قرأت قرآن میں تخفیف کا حکم آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قیام اللیل کو فرض کے بجائے نفل قرار دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کو جان لیا اور ان کا حال یہ تھا کہ رات میں طویل قیام کی وجہ سے، اور بہت زیادہ قرآن پڑھنے کی وجہ سے ان کے پیر میں ورم آجاتا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن وقیام کی وجہ سے پریشان ہوں، وہ تو صرف آپ کو اس امر عظیم کے لیے تیار کرنا چاہتا تھا جس کا آپؐ اور آپ کے ساتھی آنے والی زندگی میں سامنا کرنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" [سورۃ المزمل، آیت: ۲۰] (آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتی ہے، اور رات ودن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہی ہے، وہ (خوب) جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ نبھا سکو گے، پس اس نے تم پر مہربانی کی لہٰذا جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لیے آسان ہو اتنا ہی پڑھو، وہ جانتا ہے کہ بعض تم میں سے بیمار بھی ہوں گے، بعض

دوسری جگہوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی روزی بھی) تلاش کریں گے، اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے، سو تم بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو، اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کو اچھے قرض دو، اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے، اور تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو، یقیناً اللہ بخشنے والا، مہربان ہے)۔

اس آیت میں اس قیام اللیل کی فرضیت کو منسوخ کر دیا ہے جو اوائل سورت میں آیا ہے، یقیناً یہ شفقت و رحمت اور سہولت و آسانی کا حکم ہے جو قیام کی دعوت کے ایک سال کے بعد آیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے: ''اے محمد! آپ کا رب یقینی طور پر جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے، اور آدھی رات کے، اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتی ہے، اس حکم پر عمل کرتے ہوئے جو اوائل سورت میں ہے،" والله يقدر الليل والنهار" اللہ تعالیٰ رات اور دن کے وقت سے اندازہ کرتا ہے، رات و دن کا اندازہ اور ان کے اوقات کی جانکاری صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے، لہٰذا وہ اس کو لمبا کر دیتا ہے اور اس کو مختصر کر دیتا ہے، آپ اور آپ کی جماعت دو تہائی رات، اور آدھی رات، اور ایک تہائی رات میں تہجد پڑھتی ہے۔

"علم أن لن تحصوه فتاب عليكم" وہ جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نبھا نہیں سکتے یعنی تم اوقات کو صحیح اور برابری سے ضبط نہیں کر سکتے الا یہ کہ تم احتیاطاً وسیع اوقات کو اختیار کرو، اور یہ تمہارے لیے دشوار اور شاق ہے، لہٰذا اس نے تم پر مہربانی کی، "فتاب عليكم" کا مطلب یہ ہے کہ قیام اللیل ترک کر دینے میں تمہارے لیے رخصت ہے۔

فائدہ: "فتاب عليكم" فعل "تاب" کوتاہی سے قبل عدم مؤاخذہ کے لیے استعارہ استعمال کیا گیا ہے، اس لیے کہ کوتاہی متوقع تھی، لہٰذا یہ کوتاہی کے مشابہ ہو گیا، لہٰذا فعل "تاب" سے جس میں کوتاہی کی توقع تھی اس کا مکلف نہ بنائے جانے سے تعبیر کر دی گئی

ہے: "فاقرؤوا ما تیسر ....." تو تم رات میں نماز میں جتنا تمہارے لیے آسان ہو قرآن پڑھو، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قیام اللیل کی فرضیت میں تخفیف ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں دشواری میں نہیں ڈالنا چاہتا، لہٰذا تم اپنے اوپر قیام اللیل بلا مشقت کی تخفیف کرلو۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے کسی رات قرآن کی ایک آیت آہستہ تلاوت کی تو قرآن اس سے محاجہ نہیں کرے گا، اور قشیری کہتے ہیں کہ پانچ یا دس آیتوں سے زیادہ۔

فائدہ: قرأت کے ذریعہ نماز کی تفسیر کی گئی ہے کیونکہ قرأت نماز کے ارکان میں سے ہے، جیسا کہ نماز کی تشریح قیام، رکوع اور سجود سے کی گئی ہے، مطلب ہے "فصلوا ماتیسر لکم "یعنی تم سے آسانی سے جتنا ہو سکے نماز پڑھو۔ "علم أن سیکون منکم مرضیٰ وآخرون یضربون في الأرض.....قرضاً حسناً" ابن عاشور فرماتے ہیں کہ یہ دوسری تخفیف ہے دوسرے حالات کی وجہ سے، اور دوسری حکمت ہے قیام اللیل میں وقت کی تحدید کی نسخ کی، اور یہ ان حالات کی رعایت ہے جو مسلمانوں کو پیش آتے ہیں، اس میں سے تین قسموں کو ذکر کیا ہے جو اعذار کی اصل ہیں: پہلی قسم صحت کا بگڑنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " أن سیکون منکم مرضیٰ" ۔دوسری قسم زندگی کی ضروریات ہیں جیسے تجارت، صنعت، زراعت وغیرہ، ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے: "وآخرون یضربون في الأرض یبتغون من فضل اللّٰہ" ۔تیسری قسم امت کے مصالح ومنافع کے اعمال ہیں، ان کی طرف اشارہ اپنے اس قول میں کیا ہے: "وآخرون یقاتلون في سبیل اللّٰہ" اور اس حکم میں سرحدوں اور سرایوں کی حفاظت، فوج کی تدابیر اور وہ چیزیں بھی داخل وشامل ہیں جو دعوت کے کام کرنے کا ذریعہ ہیں۔

"فاقرؤوا ما تیسر منه" چونکہ اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کے وجوب میں تمہارے لیے تخفیف کر دیا اس لیے جتنا تم سے ہو سکے اپنی نماز میں قرآن پڑھو۔

پھر آیت نے فرض نمازوں کے قائم کرنے، فرض زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کے

راستہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے اعمال کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خیر اور اجر عظیم پائے گا، پھر آیت ختم ہوئی ہے مسلمانوں سے استغفار کا مطالبہ کرتے ہوئے، ہوسکتا ہے کہ انسانؔ سے مصروفیات واعمال کی بھیڑ میں کوتاہی ہو جائے پھر آیت نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اس طرح ہم نے آیت میں دیکھا کہ آسانی قیام اللیل کی نماز میں تخفیف کی صورت میں آئی ہے، ماسبق کی تفصیل سے واضح ہوگیا کہ اصطلاح "یسر" کا استعمال قرآن کے حصول آسانی، اس کی تلاوت، اس کے سمجھنے اور اس کو یاد کرنے کی سہولت کے سلسلہ میں ہوا ہے، اور اس میں ہم تمام کے لیے قرآن کی طرف لوٹنے اور اس کو سمجھنے اور پڑھنے میں جٹ جانے کی دعوت بھی ہے، اس لیے کہ دنیا وآخرت کی ساری خیر، نجات اور کامیابی وکامرانی صرف اور صرف قرآن میں ہے، اس امت میں کوئی خیر نہیں ہے جس نے اپنی عزت وشرف اور فخر افتخار کے سرچشمہ کو چھوڑ دیا، ساری عزت وشرف، مدد ونصرت اور طاقت وقوت قرآن میں ہے، اور آج امت جس تخلف، ذلت ورسوائی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر میدان میں جس ناکامی وشکست سے دوچار ہے ہے اسکی وجہ صرف قرآن کریم سے دوری ہے، اگر ہم صلاح وخیر، سیادت وقیادت، حفاظت وصیانت اور ان میں دوام واستمرار اور زندگی کی لذتوں کے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں تو ہمارے قرآن کی طرف رجوع کرنا لازم وضروری ہے۔

عبادات میں آسانی

اسلام دوسرے تمام ادیان سے اس بات میں ممتاز ہے کہ وہ نرمی اختیار کرنے والا دین حق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''نرمی اختیار کرنے والا دین حق دے کر بھیجا گیا ہوں''۔ اگر شریعت میں تنگی وحرج کا وجود ثابت ہو جائے تو شریعت حنفیہ کی سمجھ باقی نہیں رہ جائے گی، بلکہ ایسی شریعت ہو جائے گی جس میں تنگی ودشواری ہوگی اور یہ باطل ہے کیونکہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کا جھٹلانا لازم آئے گا، اور یہ جب باطل ہو گیا تو اسلام کا ایسی شریعت ہونا ثابت ہو گیا جس میں کسی طرح کی کوئی تنگی ودشواری نہیں ہے۔

شریعت کے کچھ مقاصد ہیں، انہیں میں عام مقاصد ہیں اور ان سے مراد وہ معانی اور حکمتیں ہیں جن کو شارح نے تمام یا اکثر تشریعی احوال میں ملحوظ رکھا ہے اور مقاصد عامہ میں شریعت کے اوصاف (مثلاً اس کا فطری ہونا، نرم وآسان ہونا) اور اس کا عام مقصد بھی شامل ہے (یعنی دفع مضرت اور جلب منفعت)، لہٰذا شریعت اسلام حنفی اور نرم شریعت ہے، توحید میں حنفی ہے اس لیے کہ اس کی بنیاد صرف ایک اللہ کی عبادت پر ہے جس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں ہے، عبادت کے معاملہ میں اسلام نے جن بنیادی اصولوں کی رعایت کی ہے وہ سہولت وآسانی، حرج وتنگی اور بوجھ کو دور کرنا ہے، ان بوجھوں کو جو دوسرے ادیان مثلاً یہودیت وغیرہ میں معروف ومشہور ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شدت وسختی کبھی کبھی معین جماعت کے لیے خاص حالات میں معینہ مدت کے لیے علاجاً درست ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کو نرمی، آسانی اور سہولت کے ساتھ متصف کیا ہے کیونکہ تمام لوگوں اور تمام ملکوں کا پیغام ہے، جس پیغام کی یہ شان ہو اس کے لیے ہمیشہ باقی رہنا اور عام ہونا ضروری ہے اور یہ

بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکیم ذات نے اس میں ایسی آسانی، تخفیف اور رحمت وشفقت رکھا ہے جو تمام نسلوں اور تمام عصروں اور تمام علاقوں کے تقاضے اور ضرورت کے موافق ہو، اور یہ بات اسلامی شریعت میں عموماً اور عبادات میں خصوصاً واضح اور نمایاں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" وإن الدين يسر ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه"۔ (دین آسان ہے، دین میں جو بھی سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبادت آسان ہے، اس میں مبالغہ کا مطلب یہ نہیں ہے انسان حد کمال کو پہنچ سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"إن المنبت لا أرضا قطع و ظهراً أبقى" (یعنی وہ مسافر جو ایسا طریقہ (راستہ) اختیار کرتا ہے جو اس کے دوستوں کے طریقہ کے مختلف ہے یعنی سواری تیز دوڑاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اور اپنی سواری کو تھکاتا ہے، اور سفر بھی تمام نہیں کر پاتا اور سواری کو بھی مار ڈالتا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ فلاں شخص دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات میں عبادت کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ:"اس کے کھانے، پینے میں کون کفایت کرتا ہے؟" صحابہؓ نے جواب دیا کہ:"ہم سب کفایت کرتے ہیں"، آپؐ نے فرمایا:"تم سب اس سے بہتر ہو۔" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عبادت میں مبالغہ کرنے اور شادی کو ترک کرنے اور عمل وکوشش کو چھوڑ کر اس کی آسانی کی حد سے تجاوز کرنے سے وہ اجر وثواب حاصل نہیں ہوتا جو عمل وکوشش کے ساتھ عبادت سے ہوتا ہے۔

ان عام بنیادوں کو دیکھتے ہوئے جن کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا ہے، ساری عبادتیں آسان ہوگئی ہیں خواہ ان کا تعلق فرائض سے ہو یا ارکان اسلام سے، ان کی مثالیں بے حد وحساب ہیں مثلاً فرض نمازیں پانچ ہیں رات ودن میں، ان کی ادائیگی میں بندہ کا بہت معمولی وقت لگتا ہے، نماز سادگی کے ساتھ ساتھ خود بہت آسان ہے کیونکہ نمازی اگر

بیمار ہے تو اس کے لیے بیٹھ کر پڑھنا اور اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا ہے تو لیٹ کر پڑھنا اور اگر لیٹ کر نہیں پڑھ سکتا تو آنکھوں کے اشارہ سے پڑھنا جائز ہے، نیز اسلام نے چھٹی ہوئی نمازوں کی قضا اور جمع وقصر بھی مشروع کیا ہے اگر معینہ شرطیں محقق ہوں جیسا کہ جنگ کے وقت صلاۃ خوف کو بھی مشروع کیا ہے۔

زکوٰۃ حولان حول اور معینہ نصاب تک پہنچنے کے بعد ہی واجب ہوتی ہے اور یہ اس ٹیکس سے کم ہوتی ہے جو حکومتیں اپنی رعایا پر واجب کرتی ہیں، نیز اس میں آسانی کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ کھیتی اور چوپایوں میں زکوٰۃ اسی جنس میں ادا کی جاتی ہے، ان کی قیمت ادا کی جاتی ہے، یہ آسانی کی ایسی قسم ہے جس کی قیمت کسان اور چوپائے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

وضو بھی آسان ہے، جو وضو کے لیے پانی نہیں پاتا ہے تو اس کے لیے تیمم جائز ہے، نیز مسح علی الخفین اور مسح علی الجبیرۃ بھی مشروع ہے، حج مستطیع پر عمر میں ایک بار فرض ہوتا ہے، بقیہ واجبات عارضی ہیں اپنے اسباب کے تحت واجب ہوتے ہیں، لیکن سب کے سب نہایت سہل اور آسان ہیں، اسلام کا نظریہ آسانی ہی ہے، تو کوئی بھی مسلم اگر اس میں تشدد یا مشقت چاہتا ہے تو روح اسلام کی مخالفت کرتا ہے۔

ان احکام وعبادات میں سہولت وآسانی کے باوجود اگر کسی انسان کو بعض حالات میں ان کی ادائیگی میں کوئی دشواری پیش آتی ہے تو اس کے لیے فقہ اسلامی کا ایک بنیادی ضابطہ ہے: "المشقة تجلب اليسر" (مشقت آسانی کا سبب بنتی ہے) اور اس ضابطہ کے تحت بہت سے قاعدے آتے ہیں، مثلاً: "لا ضرر ولا ضرار" و "الضرورات تبيح المحظورات" و "الأمر إذا ضاق اتسع" (کوئی نقصان وتنگی شریعت میں نہیں ہے)، (ضرورتیں ممنوعات کو مباح قرار دیتی ہیں)، (معاملہ جب تنگ ہوتا ہے وسیع ہو جاتا ہے)۔

اس طرح یہیں سے رخصت شروع ہو جاتی ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

بندوں کے حق میں آسانی کرنے کے مظاہر میں سے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی رخصت پر ویسا ہی عمل کیا جائے جیسا اس کی عزیمت پر عمل کیا جاتا ہے''۔ یہی آسانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزہ اور حج میں بھی ہے۔

۱- روزہ میں آسانی: اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس کو جسمانی ضرورتوں سے بلند کرنے اور مومنانہ ارادہ کی تربیت کے لیے پچھلی امتوں پر روزہ فرض کیا، لیکن اسلام میں چند دن کے روزے ہیں، پوری زندگی فرض نہیں ہے، اس کے باوجود مریض سے اس کی صحت کی بحالی تک، اور مسافروں سے ان کے سفر کے اختتام تک ان کے حق میں آسانی اور تخفیف کے لیے ان سے روزہ معاف کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدىً لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْعَلىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوْا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوْا اللّٰهَ عَلىٰ مَاهَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۵] (ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، جو شخص اس مہینہ کو پائے اس کو روزہ رکھنا چاہیے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو، اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو)۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مہینوں میں رمضان المبارک کی تعریف کر رہا ہے کہ اس نے اس کو قرآن عظیم کو اتارنے کے لیے منتخب فرمایا ہے، "ھدی للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان" یہ اس قرآن کی تعریف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن

بندے ، اپنے تصدیق کرنے والے اور اپنے متبعین کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے،"و بینات"یعنی واضح دلیلیں اور حجتیں ہیں سمجھنے والوں کے لیے اور اس میں غور وخوض کرنے والوں کے لیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کی صحت پر دال ہیں اور حق و باطل، حلال وحرام میں فرق کرنے والی ہے۔

فائدہ: یہ اگر سوال کیا جائے کہ ھدی للناس کہنے کے بعد بینات من الھدیٰ کہنے کا کیا فائدہ؟ یہ تو بظاہر تکرار ہے۔

تو میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قرآن سراپا ہدایت ہے، پھر ذکر فرمایا کہ قرآن من جملہ اس چیز کا بیان ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ہدایت دی اور حق و باطل کے مابین فرق کو واضح فرمایا اور جب دونوں جملوں (آیتوں) کا مقصود بدل گیا تو کوئی تکرار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" فمن شهد منكم الشهر فليصمه ومن كان مريضاً أوعلىٰ سفر فعدة من أيام أخر" اللہ تعالیٰ نے اس رخصت کو مطلق سفر اور مطلق بیماری سے متعلق کیا ہے، اگرچہ فقہاء نے اس خوف سے کہ لوگ معمولی سبب کی وجہ سے بھی رخصت اختیار کرنے میں افراط سے کام لیں گے اس کی سخت شرطیں متعین کی ہے، لیکن ناپسندیدگی کے ساتھ اللہ کے تقوی کے لوگ پابند بھی ہونگے، اس لیے اسلام عبادت میں دینی احساس وشعور پر انسانی ضمیر کی تربیت کرتا ہے تاکہ عبادت خالص اللہ کے لیے ہو نہ کہ انسان رخصت کے پردہ میں اس کی ادائیگی ہی سے آزاد ہو جائے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ سے رمضان المبارک میں سفر کرنے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ افطار مسافر کے لیے جائز ہے، اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے خواہ سفر حج ہو یا سفر جہاد ہو یا سفر تجارت ہو، یا اسی طرح کا کوئی سفر ہو جسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند نہ کرتے ہوں۔

مسافر کے لیے افطار جائز ہے امت کا اس پر اتفاق ہے خواہ وہ روزہ پر قادر ہو یا نہ ہو، خواہ روزہ اس کے لیے دشوار ہو یا نہ ہو، خواہ وہ پانی وسایہ میں سفر کر رہا ہو اور اس کے ساتھ اس کا خادم بھی ہو تب بھی اس کے لیے افطار اور نماز میں قصر جائز ہے، امت کا مسافر کے لیے افطار جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ مسافر کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے یا جائز نہیں ہے۔

سلف وخلف کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنے والا حالت قیام میں افطار کرنے والے کی طرح ہے، اور جب وہ روزہ رکھے گا تو اس کا روزہ جائز نہیں ہوگا بلکہ اس کے اوپر قضا واجب ہوگا، یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابو ہریرہؓ اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے سلف سے بھی مروی ہے، اور یہی مسلک اہل ظاہر کا بھی ہے، صحیح بخاری ومسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: "لیس من البر الصوم في السفر" (حالت سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے)۔

لیکن ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ مسافر کے لیے افطار اور روزہ رکھنا دونوں جائز ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: "کنا مع النبی ﷺ في رمضان فمنا الصائم ومنا المفطر فما یعیب الصائم علی المفطر ولا المفطر علی الصائم" (۳،۲) (حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رمضان المبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم میں روزہ دار بھی تھے اور مفطر بھی تھے، نہ روزہ دار مفطر پر عیب لگاتا تھا اور نہ اس کے برعکس)۔

جہاں تک مقدار سفر کا تعلق ہے تو شارح نے سفر کو مطلق رکھا ہے تو جس کو بھی سفر سمجھا جاتا ہے اس میں رخصت سفر حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" یہ ماقبل کی تعلیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا رخصت صیام (روزہ کی رخصت) اور تمام مشروع احکام سے مقصود

یہ ہے کہ دین تمہارے لیے مکمل آسان ہو جائے، اس میں کوئی دشواری وتنگی نہ رہے۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ حالت سفر ومرض میں افطار کی رخصت سے اللہ تعالیٰ کا مقصود تمہارے لیے سہولت، تخفیف اور آسانی فرمانا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان حالات میں روزہ تمہارے لیے دشوار ہے اور وہ تمہیں تنگی ودشواری اور مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: " ولتکملوا العدة" (تاکہ تم مدت پوری کرو)۔

امام فخر الرازی زجاج کے قول کے قائل ہیں کہ اس سے مراد وہی حکم ہے جو ماسبق میں مقیم، مریض اور مسافر کے لیے بیان کیا گیا ہے اور وہ مدت پوری کرنا ہے اس لیے کہ مقیم کے لیے طاقت وقوت سے اس مدت کا پورا کرنا آسان ہو جائے گا اور حالت سفر ومرض میں قضا کے ذریعہ اس مدت کو پورا کرنا آسان ہو جائے گا، لہٰذا دشوار ومشکل نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کر دیا ہے کہ اس نے ہر ایک کو ایسے طریقہ سے مکلّف بنایا ہے کہ مدت پوری کرنا دشوار نہیں ہوگا بلکہ سہل اور آسان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "ولتکبروا اللّٰہ علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون" اس آیت میں آخر میں رمضان میں تکبیر پر ابھارا گیا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مسلمانوں پر جب وہ شوال کا چاند دیکھیں تکبیر واجب ہے، "ولعلکم تشکرون" یعنی جب تم نے اللہ کے فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ اللہ کی اطاعت کی اور اس کے محارم کو ترک کر دیا اور اس کے حدود کی حفاظت کی تو ان سب کے نتیجہ میں ہوسکتا ہے کہ تم شکرگزاروں میں ہو جاؤ۔

اور سید قطب فرماتے ہیں کہ تاکہ وہ اس ہدایت پر اللہ کی بڑائی بیان کریں اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں، اور اس سے مراد نعمت اسلام اور شریعت کی سہولت وآسانی ہے۔

۲- حج: اللہ تعالیٰ کا بندوں کے حق میں آسانی وسہولت کے مظاہر میں سے شرعی رخصت کا وجود ہے مثلاً حج میں جو قربانی میسر ہو اس پر اکتفاء کرنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا

رُؤُوسَكُمْ حَتّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ" [سورۃ البقرۃ، آیت:۱۹۶] (حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو، ہاں اگر تم روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک جانور قربانی گاہ تک نہ پہنچ جائے، البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے، خواہ صدقہ دے دے، خواہ قربانی کرے، پس جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو شخص عمرہ سے لے کر حج تک تمتع کرے تو اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے، جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں، یہ پورے دس دن ہو گئے، یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے)۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت حدیبیہ میں سن چھ (۶) ہجری میں نازل ہوئی جبکہ مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا حالانکہ مسلمان عمرہ کی نیت سے گئے تھے اور یہ حج کے فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، لہٰذا کلام سے مقصود عمرہ ہی ہے اور حج کے ذکر کو اس کے ساتھ مسلمانوں کو بشارت سنانے کے لیے ملا دیا گیا کہ وہ عنقریب حج کر سکیں گے، یہ قرآن مجید کے معجزات میں سے ہے۔

اتمام کا مطلب کسی شئ کو پورا کرنا اور اس کے بقیہ کو بجالانا ہے حتیٰ کہ اس کو پورے طور پر مکمل کر لے۔

مفسرین نے اس حکم سے حج کی فرضیت کے وجود کو سمجھا ہے، اور بعض دوسرے مفسرین نے سمجھا ہے کہ یہاں حج ہی کو پورا کرنے کا حکم ہے جبکہ اس کو شروع کر دیا جائے اور

یہی راجح ہے اس لیے کہ عمرہ تمام کے نزدیک فرض نہیں ہے اس کے باوجود حج کی طرح اسے بھی پورا کرنے کا یہاں حکم وارد ہوا ہے، اس نص سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام کے حکم سے حج ہی کا پورا کرنا ہے نہ کہ اس کی فرضیت کا وجود ہے، اور اسی حکم سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ عمرہ اگرچہ ابتداءاً واجب نہیں ہے لیکن اگر عمرہ کرنے والا شروع کردے تو اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ واجب ہو جائے گا، روکے جانے کی حالت میں حج وعمرہ کا پورا کرنا اس عام حکم سے مستثنیٰ ہے۔

"فإن أحصرتم فما استيسر من الهدي".

إحصار یہاں ہر طرح کے روکے جانے کو عام ہے خواہ کسی دشمن کی طرف سے ہو یا کسی بیماری یا کسی ایسی چیز کیوجہ سے ہو جو حج وعمرہ کے اعمال کو پورا کرنے سے مانع بھی ہو۔

انسان جب احرام پہننے کے بعد روک دیا جائے تو کیا کرے گا؟ اس حالت میں حاجی یا معتمر جو اسے قربانی میسر ہوگی قربانی کرے گا اور جہاں تک وہ پہنچا ہے وہیں احرام کھول دے گا اگرچہ وہ مسجد حرام نہ پہنچا ہو اور نہ وہ شعائر حج وعمرہ کیا ہو بلکہ وہ میقات پر احرام باندھا ہو۔

"وما استيسر من الهدي" یعنی جو آسانی سے حاصل ہو جائے، ہدي ہدیۃ کی جمع ہے، مراد بیت اللہ شریف کا ہدیہ ہے، خواہ اونٹ، گائے، بکری، مینڈھا، دنبہ جو بھی ہو، یعنی تمہارے اوپر قربانی واجب ہے جو تمہیں قربانی کا جانور میسر ہو، اس کو ذبح کیا جائے گا اور بیت اللہ شریف کے فقراء ومساکین میں تقسیم کیا جائے گا، اور حاجیوں کی ایک تعداد کا ایک اونٹ یا ایک گائے میں شرکت جائز ہے جیسا کہ ہر سات آدمیوں نے صلح حدیبیہ کے عمرہ میں شرکت کی، تو یہی ما استیسر کی تفسیر ہو جائے گی، بیماری یا دشمن کے ذریعہ حالت إحصار (روکے جانے کی حالت) سے استدراک کی - جیسا کہ صلح حدیبیہ میں پیش آیا - حکمت آسانی ہی ہے، شعائر کا پہلا مقصد اللہ سے قرب، تقویٰ کے احساسات وجذبات کا جوش مارنا اور اس کی طاعت وبندگی کو بجالانا ہی ہے، تو جب یہ پورا ہو گیا اور دشمن، یا بیماری، یا اسی طرح کی کسی اور چیز نے روک لیا تو حاجی یا معتمر اپنے حج وعمرہ کے ثواب سے محروم نہیں ہوگا، بلکہ

یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنے حج وعمرہ کو پورا کرلیا، لہٰذا وہ اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کرے گا اور حلال ہو جائے گا، یہی وہ آسانی ہے جو روح اسلام شعائر سے مطلوب اور عبادت کا مقصود ہے۔

امر اول عام سے اس استدراک کے بعد آیت کا سیاق پھر لوٹ آتا ہے اور حج وعمرہ کے احکام سے متعلق ایک نیا حکم بیان کرتا ہے۔

" ولا تحلقوا رؤوسكم حتىٰ يبلغ الهدي محله" یعنی وہ جگہ جہاں قربانی کا جانور ذبح کرنا حلال ہے اگر تم روکے گئے ہو تو جہاں روکے گئے ہو وہیں ذبح کر ڈالو، ورنہ مروہ یا منیٰ یا اسی طرح کی کسی جگہ میں ذبح کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "ولا تحلقوا رؤوسكم حتىٰ يبلغ الهدي محله" اس کا عطف " أتموا الحج والعمرة لله " پر ہو رہا ہے نہ کہ "فإن أحصرتم فما استيسر من الهدي" پر، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی کو صلح حدیبیہ کے سال کفار قریش نے حرم شریف میں داخل ہونے سے روک دیا تو ان لوگوں نے حرم سے باہر حلق کروایا اور اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا لیکن امن وامان اور حرم شریف پہنچنے کی حالت میں حرم سے باہر حلق جائز نہیں ہے، "حتىٰ يبلغ الهدي محله" حتی کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پہنچ جائے اور حاجی یا معتمر افعال حج وعمرہ سے اگر فارغ ہو یا ان دونوں (حج وعمرہ) میں سے کسی ایک کے افعال سے اگر مفرد یا متمتع ہو، فارغ ہو جائے۔

اس حکم کے استدراک پہ استثناء آیا ہے کہ: "فمن كان منكم مريضاً أو به أذىً من رأسه ففدية من صيام أو صدقة أو نسك" اگر سر میں کوئی بیماری ہو جو حلق رأس کا متقاضی ہو یا سر میں جوؤں کی وجہ سے تکلیف ہو جو لمبے بالوں کی وجہ سے اور کنگھا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں تو اسلام آسانی وسہولت کا دین ہے، محرم کے لیے اس کے سر کا حلق مباح قرار دیتا ہے، قربانی کے جانور کا اپنی جگہ پہنچنے سے پہلے اور اس کے فدیہ میں تین دن کا

روزہ رکھنا ہوگا یا ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہوگا یا ایک بکری ذبح کر کے صدقہ کرنا ہوگا۔

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے: ''امام بخاریؒ نے کعب بن عجرہ کی سند سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا اس حال میں کہ جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں، تو انہوں نے فرمایا کہ: ''میں دیکھ رہا ہوں تم اس کی وجہ سے تھک گئے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟'' میں نے کہا: نہیں! تو یہ آیت نازل ہوئی: "ففدية من صيام أو صدقة أو نسك" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین روزے رکھو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، ہر مسکین کے لیے نصف صاع کھانا ہو''، تو یہ آیت خاص واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی اور تم لوگوں کے لیے عام ہے۔

پھر آیت کا سیاق حج وعمرہ کے ایک نئے حکم کی طرف لوٹتا ہے "فإذا أمنتم فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدي" (یعنی جب تم روکے نہ جاؤ اور شعائر کی ادائیگی پر قادر ہو تو تم میں سے جو حج وعمرہ کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے آسانی سے جو قربانی کا جانور مل جائے اسے ذبح کرنا چاہیے۔

اس حکم کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان کبھی کبھی عمرہ کے لیے نکلتا ہے، میقات سے احرام باندھتا ہے اور جب وہ عمرہ سے فارغ ہو جاتا ہے- عمرہ نام ہے بیت اللہ شریف کے طواف اور صفا ومروہ کے مابین سعی کا- حج کے لیے احرام باندھتا ہے اور اس کے دنوں کا انتظار کرتا ہے، یہ اس وقت ہے جب وہ اشہر حرم میں ہو،- اشہر حرم شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے- یہ حج تمتع کی صورت ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ میقات سے حج وعمرہ کے لیے ایک ساتھ احرام باندھتا ہے اور جب وہ عمرہ کے مناسک ادا کر لیتا ہے تو حج کے وقت کا انتظار کرتا ہے، یہ دوسری صورت تمتع کی ہے، ان دونوں حالتوں میں دم تمتع ہے جو واجب ہے، دسویں تاریخ کو ذبح کرے تاکہ وہ اس سے حلال ہو جائے اور عمرہ وحج کے مابین حلال ہونے سے فائدہ اٹھائے، "ما استيسر من الهدي" اس پر جو بھی جانور اسے

آسانی سے میسر ہو (اونٹ، گائے، بکری، مینڈھا) اس کی قربانی واجب ہے، جب اسے قربانی آسانی سے میسر نہ ہو تو اس پر فدیہ واجب ہے،" فمن لم يجد فصيام ثلاثه أيام في الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة"۔

اور بہتر ہے کہ ابتدائی تین دن کے روزے ۹ ذی الحجہ کے وقوف عرفہ سے پہلے رکھے اور باقی سات دنوں کے روزے اپنے ملک حج سے لوٹنے کے بعد رکھے، اللہ تعالیٰ نے رخصت ورحمت میں اضافہ کے لیے روزہ کو قربانی کا بدل قرار دیا، اسی وجہ سے روزے کو متفرق طور پر مشروع کیا اور اسے دس دن بنا دیا، ان میں سے تین دن ایام حج میں اور سات دن حج سے لوٹنے کے بعد۔

لطیفہ: روزے کے فدیہ میں دس دن کی تعیین کی کیا حکمت ہے؟ ابن عاشور نے کہا کہ یہ دس دن سات اور تین کو جمع کرنے سے ہوئے ہیں اس لیے کہ یہ دونوں مبارک عدد ہیں، اور تقسیم کا فائدہ ظاہر ہے اور دو متفاوت عدد میں تقسیم کرنے کی حکمت میں ظاہر ہے کہ حالت حج میں مشغولیت زیادہ ہوتی ہے اور اس میں مشقت ہے، اور گھر میں حالت امن واستقرار میں اطمینان ہوتا ہے اور کوئی مشقت یا پریشانی نہیں ہوتی۔

"تلك عشرة كاملة" زیادہ واضح کرنے اور تاکید کے لیے اس کی صراحت کی گئی ہے اور شاید قربانی یا روزے کی حکمت عمرہ اور حج کے مابین اللہ سے قلبی تعلق کا استمرار ہے۔

جب حرم کے آباد کرنے والے مقیمین ہیں تو ان کے لیے کوئی عمرہ نہیں ہے صرف حج ہے، اسی وجہ سے ان پر نہ کوئی فدیہ ہے اور نہ روزہ،"ذلك لمن يكن أهله حاضري المسجد الحرام".

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:" واتقوا الله" اللہ تعالیٰ سے اس کے مامورات ومنہیات میں ڈرو، تقویٰ اختیار کرو،"واعلموا أن الله شديد العقاب" اور جان لو کہ جو اس کے حکم کی مخالفت کرے گا اور اس کے منہیات کا ارتکاب کرے گا تو اللہ تعالیٰ سخت ترین سزا والا ہے۔

مذکورہ تفاصیل سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو احکام شرعیہ کا مکلّف بنا کر انہیں مشقت و پریشانی میں نہیں ڈالنا چاہتا، اللہ تعالیٰ نے جب روزہ مشروع کیا تو اس کے ساتھ ساتھ سفر و مرض کی حالت میں افطار کی رخصت بھی مشروع فرمایا، اور اس میں مزید تخفیف کے لیے رخصت افطار کو مطلق سفر و مرض سے متعلق کیا۔

اور اسی طرح حج کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جسے حج وعمرہ کی ادائیگی سے روک دیا گیا ہو اسے جو بھی قربانی میسر ہو ذبح کرنے کی رخصت بھی دی، اس کی تفصیل ماسبق میں واضح کی جا چکی ہے، احرام کے ممنوعات میں سے حلق نہ کرنا تھا لیکن شریعت نے اس کو حلق کی اجازت دی جس کے سر میں کوئی ایسی بیماری ہو یا تکلیف ہو جو حلق کا متقاضی ہو، شریعت نے متمتع عمرہ وحج کو جو بیت اللہ شریف کے لیے کوئی قربانی نہ پیش کر سکتا ہو مزید تخفیف کے لیے قربانی کے بدلے روزہ مشروع کیا ہے، نیز مزید تخفیف ورحم کے لیے ان روزوں کو متفرق طور پر مشروع کیا ہے، یہ ساری باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام آسانی کا دین ہے، مشقت و پریشانی کا نہیں، وہ لوگوں کے ساتھ رحم وکرم اور لطف ومہربانی چاہتا ہے اور ان سے تنگی وحرج اور مشقت و پریشانی کو دور کرنا چاہتا ہے۔

معاملات اور شخصی احوال میں آسانی

شریعت کی آسانی یہ بھی ہے کہ اس نے دور جاہلیت کی بعض ان عادتوں کا جو عربوں کی فطرت بن چکی تھی ایک ساتھ حرام نہیں کیا، بلکہ بتدریج حرام کیا تاکہ ایک ساتھ چھوڑنا ان کے لیے شاق نہ ہو، اگر اسلام ایک ساتھ ان کے حرام ہونے کا اچانک حکم صادر کرتا تو یہ مصلحت وحکمت کا منافی ہوتا، یہ اس لیے کہ حکمت ومصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ عقیدہ سے شروع کیا جائے اور پہلے جاہلی عقائد وتصورات، افکار وخیالات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور ان کی جگہ صحیح اسلامی تصور قائم کیا جائے حتی کہ جب قطعی حکم آجائے تو لوگ تیزی کے ساتھ "سمعنا و أطعنا" کہتے ہوئے اسے اپنی عملی زندگی میں اپنالیں۔

یہی حکمت ومصلحت قرآن کریم کو بتدریج نازل کرنے میں تھی، بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھی اس لیے کہ وہ غیر محدود اباحیت کے خوگر تھے، اگر قرآن ایک ساتھ نازل ہوتا تو ان پر ایک ساتھ تمام شرعی احکام شاق ودشوار ہوتے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے مفصل کی ایک ایسی سورت نازل ہوئی جس میں جنت وجہنم کا ذکر تھا، اور جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوگئے تو ان پر حلال و حرام نازل ہوا، اگر پہلی مرتبہ یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہیں چھوڑیں گے، اسی طرح اگر پہلے یہ نازل ہوتا کہ زنا مت کرو تو لوگ کہتے کہ ہم زنا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

یہ تدریج انسانوں کے ان مزاجوں کے موافق تھی جنکی عادتیں اسی تدریجی فکر و اسلوب سے بنتی ہیں، اسی قبیل سے شراب وجوئے کی تحریم کی تدریج ہے۔

شراب وجوئے کی تدریجی تحریم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ" [سورۃ البقرۃ: آیت: ۲۱۹] (لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے، آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں تو آپ کہہ دیجیے حاجت سے زائد چیز، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو۔

شراب کے سلسلہ میں چار آیتیں نازل ہوئیں: "مِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا" [سورۃ النحل: آیت: ٦٧] (اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنالیتے ہو اور عمدہ روزی بھی، جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لیے تو اس میں بہت بڑی نشانی ہے)۔

مسلمان شراب پیتے تھے اور یہ ان کے لیے حلال تھی، پھر حضرت عمرؓ، حضرت معاذؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے کہا: "اے اللہ کے رسول! ہمیں شراب کے بارے میں فتویٰ دیجیے، اس لیے کہ یہ عقل کو لے جانے والی اور مال کو سلب کرنے والی ہے"، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "فيهما إثم كبير ومنافع للناس" (ان دونوں میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے)، اس آیت کے نزول کے بعد کچھ لوگوں نے پیا اور کچھ لوگوں نے پینا ترک کر دیا، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو چھوڑنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے پلایا تو انہوں نے پیا اور نشہ کی حالت میں ہو گئے، ان میں بعض نے امامت کی اور نماز میں تلاوت کی "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ" تو یہ آیت نازل ہوئی: "لَا تَقْرَبُوا

الـصَّـلَـوٰةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ" [سورۃ النساء، آیت:۴۳] (اے ایمان والو! جب تم نشہ میں مست ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ)، پھر عتبہ بن مالک نے کچھ لوگوں کو بلایا جن میں سعد بن وقاص بھی تھے، تو جب وہ نشے میں مست ہو کے فخر کرنے لگے، اشعار پڑھنے لگے حضرت سعدؓ نے ایک ایسا شعر پڑھا جس میں انصار کی ہجو تھی، تو ایک انصاری نے ان کو اونٹ کی داڑھی کی ہڈی سے ایسا مارا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گئے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے دعا کی: ''اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے بارے میں کوئی شافی وکافی بیان واضح فرما'' تو یہ آیت نازل ہوئی "إنـمـا الـخـمـر والميسر...... إلى قوله...... فهل أنتم منتهون" [سورۃ المائدۃ، آیت:۹۱] (اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر، یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب وجوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آجاؤ) تو حضرتؓ نے فرمایا: ''اے میرے رب! ہم باز آگئے''۔

اس آیت کے شان نزول نے واضح کر دیا کہ شراب بتدریج کئی مرحلوں میں حرام کی گئی، سب سے پہلے مرحلہ میں یہ کہا گیا کہ: شراب وجوئے میں بڑا گناہ ہے اور اس میں لوگوں کے فائدے بھی ہیں، پھر دوسرا مرحلہ: نشے کی حالت میں نماز سے روکا گیا، تیسرے مرحلہ میں آیت تحریم نازل ہوئی: "فـاجتنبوه"، یہ اسلامی، قرآنی، ربانی اور حکیمانہ تربیت کا ایک حصہ ہے، عرب شراب وجوئے کے عادی تھے، ان سے مانوس تھے، اور عادت ختم کرنے کے لیے علاج وتدبیر کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے قرآن مجید نے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں دینی احساس وجذبات اور تشریعی منطق کو ابھارا کہ شراب، وجوئے میں نفع سے زیادہ نقصان ہے اور اسی میں یہ بھی اشارہ تھا کہ ان دونوں کا ترک ہی اولیٰ وافضل ہے۔

خمر: "خمر الشیئ" سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب یہ اس کو چھپالے، ڈھانپ لے، خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو چھپالیتی ہے، ڈھانپ لیتی ہے، المیسر: (جوا) یہ یسر کا مصدر ہے جیسے موعد وعد کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: "یسرتہ" جب تم اس کے ساتھ جوا کھیلو، اور یہ یسر سے مشتق ہے، اس لیے کہ جوا نام ہے بغیر کسی محنت ومشقت کے آسانی اور سہولت کے ساتھ دوسرے کا مال لے لینا، یا یہ یسار سے ماخوذ ہے کیونکہ جوا نام ہے مالداری کے سلب کر لینے کا۔

اللہ تعالیٰ نے جوا کو قطعی طور پر اس لیے حرام کیا ہے کہ جوا ایک ایسا عظیم گناہ ہے جو بغیر کسی محنت ومشقت اور کوشش (جدوجہد) کے عارضی مالداری کا سبب بنتا ہے، اور اس میں ہارنے والے کو نقصان لاحق ہوتا ہے۔

فائدہ: آیتوں میں شراب کا ذکر جوئے کے ساتھ کیوں آیا؟

اللہ تعالیٰ نے دونوں کا ایک ساتھ اس لیے ذکر کیا کہ دونوں محنت ومشقت، جدجہد کو نقصان پہنچاتے اور بغیر مرضی کے مفت مال لینے میں ایک دوسرے کی طرح ہیں (یکساں)، اور اس لیے بھی کہ شراب عربوں کے دلوں میں جاگزیں ہونے میں جوئے کی طرح ہے، ان دنوں جو اعربوں میں سب سے بڑا لہو ولعب تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "قل فیھما إثم کبیر ومنافع للناس وإثمھما أکبر من نفعھما" (اے محمد! آپ ان سے کہہ دیجیے ان دونوں کے ارتکاب میں بڑا گناہ ہے)، إثم کہتے ہیں کسی ایسے کام کا ارتکاب کر کے اللہ کی نافرمانی کرنا جس میں بگاڑ ہو (فساد)، اور اس سے اللہ تعالیٰ راضی نہ ہو، اور کبیر کہتے ہیں عظیم کو۔

شراب پینے میں گناہ اس وجہ سے ہے کہ پینے والے میں افراط، بداخلاقی اور ایسی مخالفت پیدا ہو جاتی ہے جو بغض وحسد پیدا کرتی ہے، اللہ کے راستہ اور نماز سے روکتی ہے، نیز اس میں عقل ومال کا بھی ضیاع ہے، بعد کے ڈاکٹروں نے تو یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ اس

سے جگر و گردے کی بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور نسل بھی کمزور ہوتی ہے۔

"منافع للناس" شراب سے لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے، اس کی تجارت سے نفع حاصل ہوتا ہے اور جوئے میں بغیر کسی محنت و مشقت کے مال حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اقتصادی یا شہوانی منافع ہیں۔

"وإثمهما أكبر من نفعهما" ان دونوں سے جو مفاسد پیدا ہوئے ہیں اور ان کے ارتکاب کی جو سزا ہے وہ ان دونوں کے نفع سے عظیم تر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ويسألونك ماذا ينفقون قل العفو" (وہ آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجیے حاجت سے زائد چیزیں، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لیے بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو)۔

اس آیت کا ماقبل سے مناسبت و ربط یہ ہے کہ شراب و جوئے کی نہی سے ایک ایسے عظیم انفاق کے معطل ہونے کا خطرہ تھا جس سے محتاج لوگ فائدہ اٹھاتے تھے، تو آیت نے ان کے لیے صحیح انفاق کی وجہ کو واضح کر دیا، "العفو" جو ضرورت سے زائد ہو جسے نفس کے بغیر کسی مشقت و تکلیف کے برداشت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس امت کے ساتھ آسانی چاہتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ" یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تمہارے لیے تفصیل سے بیان فرما دیا ہے اور واضح کر دیا ہے اسی طرح تمہارے لیے اپنے احکام کی ساری آیتوں کو، وعد کو، وعید کو واضح فرما رہا ہے تاکہ تم دنیا و آخرت میں سوچ سمجھ سکو۔

یہاں آیت تحریم کا تیسرا مرحلہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" [سورۃ المائدۃ،

آیت: ۹۰-۹۱] (اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر، یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آجاؤ)۔

تدریج کے ساتھ جب یہ آیت تحریم نازل ہوئی تو مدینہ کی مجلسوں اور محفلوں میں ایک منادی کی نداء کافی ہوگئی کہ: اے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ شراب حرام کردی گئی، یہ ندا سننا تھا کہ جس کے ہاتھ جام تھا اس کو توڑ دیا، اور جس کے منہ میں شراب کی گھونٹ تھی، تھوک دیا، شراب کے مٹکے توڑ دیے گئے، اس کے جام توڑ دیے گئے، اور معاملہ ایسا صاف ہوگیا گویا کہ یہاں نہ کوئی نشہ تھا اور نہ کوئی شراب تھی۔

یہ آیت مانوس و مالوف ندا سے شروع ہوئی ہے: "یاأیھا الذین آمنوا" تا کہ ایک طرف مسلمانوں، مومنوں کے دلوں میں جوش وجذبہ پیدا کیا جائے اور دوسری طرف انہیں ایمان کے تقاضے یاد دہانی کرائی جائے کہ وہ اطاعت وبندگی ہی ہے، اس ندا کے بعد ایک حتمی قطعی فیصلہ ہے: "إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون" شراب گندگی ہے، اس پر اس طیبات کا اطلاق نہیں ہوتا جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے، اور یہ شیطانی عمل ہے اور شیطان انسان کا پرانا دشمن ہے، اور مومن کا ہر ایسے عمل سے دور رہنے اور نفرت کرنے کے لیے یہ جانکاری کافی ہے کہ وہ شیطانی عمل ہے، رجس کہتے ہیں ایسے گناہ اور ایسی بدبو کو جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور مومنوں کے لیے اسے ناپسند کرتا ہے۔

شراب وجوئے کی تاکید کو متعدد تاکیدات سے مؤکد کیا گیا ہے:

۱-إنما سے جملہ شروع کیا گیا ہے۔

۲-اسے عبادت واحکام سے جوڑ دیا گیا۔

۳-اسے رجس یعنی گندگی ثابت کیا گیا ہے۔

۴-اسے شیطانی عمل کہا گیا ہے اور شیطان سے صرف شر کا صدور ہوتا ہے۔

۵-اس سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۶-اس سے باز رہنے کو کامیابی شمار کیا گیا ہے اور اس کے ارتکاب کو ناکامی سمجھا گیا ہے۔

۷-دشمنی، بغض اور نفرت وعداوت کا سبب بنتے ہیں۔

۸-اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔

لطیفہ: اللہ تعالیٰ نے آیت میں من عمل الشیطان کیسے کہہ دیا حالانکہ وہ (شراب وجوا) حقیقتاً انسان ہی کے اعمال ہیں؟

ج-آیت میں عمل کی نسبت شیطان کی طرف مجازاً کی گئی ہے کیونکہ شیطان اپنے وسوسے کے ذریعہ اور فاسقوں کے سامنے اسے اچھی صورت میں پیش کرنے کے ذریعہ اس فعل کو وجود میں لانے کا سبب بنتا ہے جیسا کہ کسی آدمی نے کسی کو ورغلایا، بھڑکایا تو اس نے دوسرے کو مارا تو بھڑکانے والا سے کہا جائے گا یہ تیرا عمل ہے۔

پھر آیت کا سیاق اس گندگی کے پیچھے کی شیطانی اسکیم کو واضح کرتا ہے: "إنما یرید الشیطان أن یوقع بینکم العداوة والبغضاء في الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللّٰه وعن الصلوٰة فهل أنتم منتهون" اس سے مسلمانوں کے سامنے شیطان کا مقصد اور اس کی گندگی کا نتیجہ واضح ومنکشف ہو جائے گا کہ یقیناً وہ مسلمانوں کی صف میں شراب وجوئے کے ذریعہ بغض، نفرت اور عداوت ودشمنی پیدا کرتا ہے اور ایمان والوں کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکتا ہے، یہ کیا ہی بڑی سازش اور گندی چال ہے۔

مقولہ: "في الخمر والمیسر" شراب پینے سے جھگڑے اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور جرائم پر اقدام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور جوئے میں جیتنے والا سے حسد، غیظ وغضب اور نفرت پیدا ہوتی ہے اور ہارنے والے کو ضرر لاحق ہوتا ہے، اس کے دل میں حسرت پیدا ہوتی

ہے، مسلمانوں کے مابین نفرت، حسد، بغض، عداوت ودشمنی پیدا ہونا ہی بہت بڑا گناہ وفساد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سارے مومن آپس میں بھائی بھائی ہوں، کیونکہ کسی بھی ایسی امت کا معاملہ درست ہو ہی نہیں سکتا جس کے افراد میں بغض وحسد ہو، نفرت وعداوت ہو، شراب، نماز اور ذکر اللہ سے روکتی ہے، اس لیے کہ نشہ کی حالت میں عقل جاتی رہتی ہے اور نفع کی لالچ میں بار بار جوا کھیلنے کے لیے وقت کو فارغ کرنا پڑتا ہے۔

پھر وہ سوال آتا ہے جس کا حضرت عمرؓ کے جواب کے علاوہ کوئی جواب نہیں تھا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو سنتے ہی "فھل أنتم منتھون" جواب دیا، "انتھینا انتھینا" (ہم باز آگئے) یعنی ہم شراب وجوئے سے باز آگئے، رک گئے۔

لطیفہ: اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں شراب، جوا، تھان، فال نکالنے والے پانسے کے تیر کو جمع کیا، پھر دوسری آیت میں خاص طور سے شراب وجوئے کا ذکر کیوں کیا؟

ج- اس لیے کہ لوگوں کے مابین عداوت ودشمنی اور نفرت وبغض زیادہ تر شراب وجوئے ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح انہیں دونوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے طاعت وبندگی سے مشغول ہوتے ہیں، بخلاف تھان اور فال نکالنے والے تیر کے پانسے، کیونکہ ان میں یہ برائیاں اور مفاسد نہیں ہیں اگرچہ ان میں دوسرے بہت سے مفاسد اور برائیاں ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف شراب وجوئے کو اس لیے مکرر کیا گیا کہ خطاب مومنوں سے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے "یا أیھا الذین آمنوا" فرمایا، اور وہ صرف شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے، پہلی آیت میں چاروں (خرابیوں/مفاسد) کو اس لیے جمع کیا تاکہ مومنوں کے لیے واضح کر دیا جائے کہ یہ چاروں جاہلی اعمال ہیں اور کسی بت کی عبادت کرنے والے اور غیب کے دعوی کے ساتھ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے اور شراب وجوئے کے کو حلال سمجھ کر کھیلنے والے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

طلاق کا مسئلہ

خاندان سوسائٹی کی اصل ہے، اسلام نے جس وقت زواج کو مشروع کیا تو اس نے ازدواجی زندگی میں اصل استقرار ودوام کو قرار دیا، سوسائٹی میں خاندان اس لیے وجود میں آتا ہے تاکہ وہ نوع انسانی کی حفاظت کے ساتھ باقی رہے اور انسان کی زندگی سے متعلق انسانی تہذیبی کوشش جاری رہے، لیکن انسان کی واقعی زندگی بتاتی ہے کہ یہاں کچھ ایسے حالات ہیں جو بعض اسباب کی بناء پر ٹوٹتے اور بگڑتے رہتے ہیں، لہٰذا ازدواجی زندگی کی بقا واستمرار کی تمام ضمانتوں اور تمام اقدامات کو اختیار کرنے کے بعد علاج وتدبیر جدائی اور طلاق ہی ہوگی، اسلام نے طلاق سے متعلق شرعی احکام کو بالکل واضح کر دیا ہے، ان کی تفصیل کے لیے فقہی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اصطلاح یسر کی آیتیں سورۃ طلاق میں حاملہ وہ بچی جس کا ابھی حیض نہ آتا ہو اور آئسہ جس کے حیض کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہو کی عدت کی مدت کے بیان سے سیاق میں آئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا" [سورۃ الطلاق، آیت: ۴] (تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا)۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا قول: "المطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء" [سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸] تو ایک صحابی نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول! اس کی جس کو حیض نہیں آتا ہے اور اس کی جس کو ابھی

حیض نہیں آیا ہے اور حاملہ کی عدت کیا ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یہ غیر حائضہ اور غیر حاملہ کی عدت کی مدت کی تعیین ہے جو ان کو بھی شامل ہے جن کا حیض آنا بند ہو گیا ہو اور ان کو بھی شامل ہے جنہیں کم عمری یا کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہیں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول: "إن ارتبتـــــم" اگر تمہیں ان عورتوں کے حکم میں شک ہو جائے اور تم ناواقف ہو کہ وہ کیسے عدت گزاریں گی تو ان کا یہ حکم ہے، اس عمر کی تعیین ملکوں اور ذوات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے جیسا کہ ابتداء حیض کی عمر مختلف ہوتی ہے، اس عمر کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے: بعض نے کہا کہ ساٹھ سال ہے، اور بعض نے ۵۵ سال کہا ہے، اسکی تعیین سالوں سے نہ کرنا ہی بہتر ہے، اور اولیٰ یہ تو صرف مایوس کی ابتدائی حالت قریب کرتا ہے۔

آیت کی ظاہری مفہوم کی بنیاد پر عکرمہ بن زید اور قتادہ نے کہا ہے کہ وہ عورت جس کے حیض کے بار بار آنے میں شک ہے اس کی عدت تین مہینے سے زیادہ نہیں ہے، شاید ان کے نزدیک علت یہ ہے کہ تین مہینہ میں حمل کا معاملہ واضح وظاہر ہو جاتا ہے، اگر حمل ظاہر نہیں ہوا تو تین مہینے گزر جانے کے بعد اس کی عدت پوری ہوگئی، لیکن حاملہ کی عدت وضع حمل ہی ہے خواہ مدت لمبی ہو یا مختصر، اور مطلقہ پر طلاق بائن واقع ہوگی۔

مُطَلَّقہ کی عدت کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مطلق کی اولاد سے رحم کی، براءت یا عدم براءت ثابت ہو جاتی ہے، نیز ایک مقصد یہ بھی ہے کہ طلاق دینے والے شوہر کو اپنے فعل پر ندامت ہو اور رجوع کرے۔

اللہ تعالیٰ کا قول: "وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا" (جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرے گا تو اللہ اس کے معاملہ میں آسانی فرمائے گا)، مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی معاشرت ومفارقت کے معاملے نہایت دشوار ہیں، لہٰذا اس میں عدل وانصاف اور پاکدامنی پر صرف خدا کا خوف ہی آمادہ کر سکتا ہے، تقویٰ پر ابھارنے کے لیے یہ آیت مکرر ہوتی ہے۔

جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرے گا وہ اس کے فرائض وواجبات کو انجام دے گا،

اس کے معاصی سے بچے گا، اپنے بیوی کو طلاق دینے میں اس کے احکام کی مخالفت نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو آسان فرمادے گا، امر کا معنی شان اور حالت بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کے دشوار معاملہ کو اس کی نگاہ میں آسان فرمادے گا، اس کے لیے اس کی طلاق میں آسانی فرمائے گا تو اس کے لیے رجوع آسان ہوجائے گا اگر وہ چاہے گا۔

یا جدائی (یعنی ازدواجی زندگی کا خاتمہ) اس کے لیے آسان ہوجائے گی اگر وہ رجوع کرنا نہیں چاہے گا، معاملہ میں آسانی کا مطلوب ومقصود ہے، یقیناً یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے اس کے معاملات کو آسان فرمادے، لہٰذا نہ کوئی پریشانی ہو اور نہ مشقت ہو، وہ معاملات کو اپنے احساس واندازہ کے مطابق آسانی سے لے اور اپنی حرکت ونشاط اور عمل سے ان کو آسانی سے حاصل کرے، اور ان کے نتائج سے آسانی سے راضی ہوجائے اور اس کی وجہ سے وہ آسانی میں زندگی گزارے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے جاملے، لیکن تمام زندگی کی آسانی کے مقابلہ میں یہاں طلاق کی آسانی پر رغبت دلائی گئی ہے، ابھارا گیا ہے۔

ازدواجی زندگی کا خاتمہ اس کے تعلقات وروابط کے لیے حد فاصل نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بھی علماء کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق نان ونفقہ اور سکنیٰ یا صرف سکنیٰ کی کچھ پابندیاں ہیں، اور یہ پابندیاں شوہر کے معیار زندگی اور استطاعت کے مطابق ہیں، نہ اس سے کم ہیں اور نہ زیادہ، لہٰذا نہ شوہر کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ اسے کسی تنگی میں ڈالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا" [سورۃ الطلاق، آیت: ۷] (کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے (اپنی حسب حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے، اللہ تنگی کے بعد آسانی وفراغت بھی کردے گا)۔

اس آیت میں نفقہ کے مقدار کی تفصیل بیان کردی گئی ہے، وہ آسانی تعاون اور

عدل وانصاف ہے، نہ شوہر اس معاملہ میں ظلم وجور کرسکتا ہے اور نہ بیوی پریشانی ومشقت میں ڈال سکتی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے رزق میں وسعت وفراخی دی ہے اسے وسعت کے ساتھ نفقہ وسکنیٰ یا رضاعت کی اجرت خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہر ایک سے اتنا ہی مطالبہ کرتا ہے جتنا اس نے اس کو دیا ہے۔

انفاق کہتے ہیں: کھانا، لباس، اور دوسری ضروریات زندگی میں کفایت کرنا، اور مقصود اس سے یہ ہے کہ (منفق علیہ) یعنی جس پر خرچ کیا جارہا ہے اس کو مطمئن کرنا کہ وہ منفق (شوہر) سے اس کی استطاعت وصلاحیت سے زیادہ مطالبہ نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کا قول: "سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْراً" یقیناً اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی فرمائے گا، یہ ان کے لیے ان کے مطلوب کی بشارت وخوشخبری کی طرح ہے، تنگی کے بعد فراخی، دشواری کے بعد آسانی کا معاملہ اللہ سے جڑا ہوا ہے، لہٰذا دونوں کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنے سارے معاملات کو اللہ تعالیٰ ہی سے مربوط رکھیں اور اپنے تمام معاملات میں اسی کی طرف رجوع کریں، اسی کے ہاتھ میں تنگی وفراخی ہے، دشواری وآسانی ہے۔

فائدہ: یہاں اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا: "سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْراً" اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً" دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ آیت میں اللہ تعالیٰ کے قول: "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً" میں مع سے مراد بعدہ ہے، اس لیے کہ دو متضاد چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔

اس طرح واضح ہوگیا کہ جو اپنی بیوی کی طلاق کی حالت میں اس کی عدت ونفقہ میں اللہ سے تقویٰ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو آسان کردے گا اور اس کی پوری زندگی میں تنگی کے بعد آسانی فرمائے گا۔

اجتماعی تعلقات میں آسانی

اسلام شفقت ورحمت، الفت ومحبت اور مدد وتعاون کا دین ہے، اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان مودت ومحبت، شفقت والفت اور تعاون وہمدردی کی فضا میں زندگی گزاریں، انسان اپنے مزاج کے اعتبار سے اجتماعی ہے، وہ لوگوں سے الگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا، اس مزاج کا خیال رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آپس میں بھائی بھائی اور الفت ومحبت والے بن کر رہنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا" [سورۃ آل عمران، آیت:۱۰۳] (اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو، اور پھوٹ نہ ڈالو)، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو ایک جسم سے تشبیہ دی ہے اگر اس کے کسی ایک حصہ کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار و بیداری کا شکار ہو جاتا ہے، لہٰذا اس فضا میں اس احساس کے ساتھ مسلمان ایسی اطمینان بخش زندگی گزارتا ہے جو محبت وتعاون سے معمور اور بغض ونفرت اور انانیت سے دور ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بعد بھائی چارہ کے اصول کو قائم کرنے پر حریص تھے، اور یہ بھائی چارہ اسلامی حکومت کی تعمیر کی دوسری بنیادی اینٹ تھا، ماسبق تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اسلام اجتماعی تعلقات کا غایت درجہ اہتمام کرتا ہے کیونکہ اسلامی سوسائٹی اور اسلامی حکومت کی طاقت پر اس کا زبردست اثر پڑتا ہے، اور یہیں سے کلمۂ یسر قرآن کریم میں اجتماعی تعلقات کے اہتمام میں آیا ہے، اور یہ میدان جو مجھے چند آیتوں میں ظاہر ہوا ہے جس میں عموماً یہ اصطلاح دین (قرض) کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ تنگ دست کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دی جائے یا مستحقین پر انفاق مال سے متعلق ہے اور یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے ساتھ کے قصہ میں جبکہ وہ ان کے پاس غلہ کے لیے گئے تھے۔

یہاں سے ہم ان آیتوں کے بارے میں کلام کریں گے جن کا تعلق اجتماعی تعلقات سے ہے۔

مطلوب اول: دین (قرض)

اسلام نے لوگوں پر تنگی اور دشواری کے وقت ایک دوسرے کی پشت پناہی اور تعاون کو اور مشقت و پریشانی کے وقت ایک دوسرے پر رحم کو واجب قرار دیا ہے، جب کسی کو کچھ مال کی ضرورت ہو تو دوسروں کے ذمہ اس کی مدد یا صدقہ یا مدد و تعاون کی دوسری اقسام کے ذریعہ ضروری ہے نہ کہ اسے معین ایسے اضافہ کے ساتھ جو دن بدن بڑھتا رہے اسے پریشانی میں نہ ڈالے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غنی کو صدقہ کیے ہوئے مال میں برکت دے گا اور جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس سے بہتر بدلہ دے گا اور اس کے مال کو مختلف وسائل سے بڑھائے گا اور صدقہ دینے والا اللہ کے اور تمام لوگوں کے نزدیک محبوب ہوگا، لہٰذا نہ اس سے کوئی حسد رکھے گا اور نہ بغض و نفرت اور نہ اس کے ساتھ کوئی دھوکا کرے گا، اور نہ تدبیر و سازش، نہ چوری اور نہ غصب، اور یہ ساری چیزیں اس کے مال کے اضافہ میں ممد و معاون ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ "[سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۰] (اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے اور صدقہ کرو تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم میں علم ہو)۔

العسرۃ إعسار کا اسم ہے، اور اس کا معنی ہے: مال کی دشواری، کہا جاتا ہے: "أعسر الرجل" جبکہ وہ تنگی کی حالت میں ہو جائے، ایسی حالت میں ہو جائے جس میں مال کا پایا جانا دشوار ہو، زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی تنگ دست قرض ادا نہیں کر پاتا تھا تو اس کے بدلہ اس کو بیچ دیا جاتا تھا یا غلام بنا لیا جاتا تھا، لیکن جب اسلام آیا تو اس نے اس حکم کو باطل قرار دیا اور صاحب مال سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ اپنے کسی بھائی کو کچھ مال متعینہ مدت کے لیے دے پھر متعینہ مدت میں قرض خواہ اس کو ادا نہ کر سکے تو قرض دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ قرض خواہ کو کچھ مہلت

دے، اور دوسری ایسی مدت کا انتظار کرے جس میں وہ ادا کر سکے، یعنی اس کی آسانی وخوشحالی تک اس کو مہلت دے، یہ دائن، مدیون اور سوسائٹی کے سب کے لیے رحمت ہے، تنگ دست کو اسلام میں قرض دینے والے کی طرف سے دھتکارا نہیں جائے گا بلکہ اس کی خوشحالی تک اس کو مہلت دی جائیگی، پھر اسلامی سوسائٹی اس تنگ دست کو قرض کے بوجھ کے ساتھ نہیں چھوڑ دے گا بلکہ اللہ قرض دینے والے کو اس کے دین (قرض) کا صدقہ کرنے کی دعوت دے رہا ہے اگر وہ اس خیر کو کرنا چاہے، وہ اس کے لیے بھی (قرض دینے والا) خیر ہے اور مدین کے لیے بھی خیر ہے اور پوری جماعت کے لیے خیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" و أن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون" (اور تم صدقہ کرو تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے) اس آیت میں صدقہ کی ترغیب ہے اور تنگ دست سے قرض کو معاف کر دینا اور اس کی پریشانی اس سے دور کرنے، اس کو بے نیاز کر دینا افضل ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے صدقہ شمار کیا ہے اس لیے کہ اس میں مصیبت کو دور کرنا اور مظلوم کی مدد ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة" (جو شخص کسی مومن سے دنیا کی کوئی مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ اس کی قیامت کے دن کی کوئی مصیبت دور کرے گا۔

امام مسلمؒ کی ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم سے پہلے ایک آدمی کا محاسبہ کیا گیا تو اس کے پاس کوئی چیز نہیں نکلی، لیکن وہ لوگوں سے ملتا تھا اور مالدار تھا اور غلاموں کو حکم دیتا تھا کہ تنگ دستوں سے معاف کر دیا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کا اس سے حقدار ہوں، لہٰذا تم لوگ سے اسے معاف کر دو۔

یہاں وہاں دوسری کچھ ایسی نصوص ہیں جو اس مدیون کے لیے مصارف زکوٰۃ میں ایک حصہ متعین کرتی ہیں تاکہ وہ اس سے اپنا قرض ادا کرے اور اپنی زندگی آسان بنالے۔

"إنما الصدقات للفقراء والمساكين .....والغارمين....." [سورۃ توبہ، آیت:۶۰] (صدقہ صرف فقیروں کے لیے ہے اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جس کے دل پر چھائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہبر و مسافروں کے لیے فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم وحکمت والا ہے)۔ اور وہ قرض دار جنہوں نے اپنے قرض کو اپنی خواہشات میں صرف نہیں کیا، بلکہ عمدہ اور پاکیزہ چیزوں میں خرچ کیا پھر ان کے حالات بگڑ گئے پھر اس کے بعد ایسی آیت آتی ہے جس سے مومن کانپنے لگتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ اپنے سارے قرض سے دستبردار ہو گیا ہوتا، اور اس کے محاسبہ کے دن اللہ تعالیٰ سے نجات حاصل کر لیتا، وہ آیت یہ ہے: "وَاتَّقُوا يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ" [سورۃ البقرۃ، آیت:۲۸۱] (اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سے اللہ کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

مقصود ثانی انفاق میں: اصطلاح یسر مستحقین کے نفقہ کے وجوب کے میدان میں اور مسکین، اعزہ واقارب اور مسافروں پر صدقہ کے سلسلہ میں ابھارنے پر وارد ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيراً إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوراً وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلاً مَّيْسُوراً" [سورۃ الاسراء، آیت:۲۶-۲۸] (اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف و بے جا خرچ سے بچو، بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے، اگر تجھے ان سے منھ

پھیر لینا پڑے اپنے رب کی اس رحمت کی جستجو میں جسکی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے چاہیے کہ عمدگی اور نرمی سے انہیں سمجھا دے۔

سید قطبؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق کو واجب کرتا ہے جو بغیر انفاق کے ادا نہیں ہو سکتے، کہ کسی کا کسی پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ وہ حق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اور اس کو اپنی عبادت اور اپنی وحدانیت سے ملا دیا ہے، یہ وہ حق جسے مکلّف ادا کرنے کے بعد ہی بریٔ الذمہ ہو سکتا ہے، اور اس کے درمیان جسے وہ دیتا ہے اس کے درمیان محبت والفت پیدا ہوگی، وہ تو صرف اللہ کا حق ادا کر رہا ہے۔

قرآن اسراف سے روکتا ہے، اور اسراف جیسا کہ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ تفسیر کرتے ہیں: ناحق خرچ کرنے کو، اور مجاہد کا کہنا ہے: اگر کسی نے اپنے سارا مال حق میں خرچ کر دیا تو وہ مال میں اسراف کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر ایک مد بھی ناحق خرچ کیا تو مبذر ہو جائے گا، انسان مبذر کم یا زیادہ خرچ کرنے سے نہیں ہوتا ہے بلکہ محل انفاق سے ہوتا ہے، اگر محل میں خرچ کیا ہے تو مبذر نہیں ہوگا اگر چہ بہت زیادہ خرچ کیا ہو، اور محل شر میں یا غیر حق میں کیا ہو تو مبذر بن جائے گا اگر چہ تھوڑا مال خرچ کیا ہو، اسی وجہ سے مبذرون شیطان کے بھائی ہیں اس لیے وہ باطل و ناحق خرچ کرتے ہیں، شر و معصیت میں خرچ کرتے ہیں لہٰذا وہ شیاطین کے رفقاء و ساتھی ہیں۔

"و کان الشیطان لربه کفوراً" (اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے) نعمت کا حق ادا نہیں کرتا ہے، ایسے اسراف کرنے والے ان کے ساتھی ہیں جو حق نعمت ادا نہیں کرتے ہیں، نعمت کا حق یہ ہے کہ اسے طاعت و بندگی، حقوق کی ادائیگی میں بغیر اسراف اور حد سے تجاوز کیے ہوئے خرچ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مال مانگتا اور آپؐ کے پاس اسے دینے کے لیے کوئی مال نہیں ہوتا تو آپؐ شرم کی وجہ سے اعراض فرماتے تھے اور آپؐ کا اعراض اضطراری

ہوتا تھا، اس لیے کہ آپؐ کے پاس اسے دینے کے لیے کوئی مال نہیں ہوتا تھا، نہ دینے کے ارادہ سے اعراض نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے کامل ادب کی طرف متنبہ کیا جس سے وہ پہلے سے مانوس تھے، لیکن آپؐ کے واسطہ سے پوری امت کو تعلیم دے گئے جیسے: "فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا" (تو آپ ان سے نرم بات کیجیے) میسور یسر سے اسم مفعول ہے، اور اس کا معنی آسانی وسہولت ہے، تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرمائے، ان کے حق میں یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ان کے فقر وفاقہ میں آسانی فرمادے، گویا کہ اس کا معنی ہے ایسی بات جو نرمی والی ہو، یعنی ایسی دعا میں آسانی ہو، ایسی نرمی جو ان کے نزدیک بہتر بھی ہو اور مقبول بھی ہو، یہاں مقبول کو میسور سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ نفس اسے قبول کرلیتا ہے، اس لیے کہ غیر مقبول دشوار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر تم مال نہ ہونے کی وجہ سے نہ دے سکو تو اس سے نرم اور اچھی بات کہو، تاکہ یہ اعراض بخل اور کم اہمیت دینے پر محمول نہ کیا جائے۔

اعراض کی دو شرطیں ہیں: ۱- اعراض اللہ سے طلب رزق کے لیے ہو، ان سے بخل کی وجہ سے نہ ہو۔ ۲- اعراض کے ساتھ معذرت میں نرم واچھی باتیں ہوں۔

سورہ طلاق میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آدمی پر جن لوگوں کا نفقہ واجب ہو ان پر خرچ کرے۔

دودھ پلانے والی پر اور اس کے علاوہ دوسری ضروریات پر۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا" [طلاق، آیت: ۷] (کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اس دے رکھا ہے اس میں سے (اپنی حسب حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی

طاقت اسے دے رکھی ہے، اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی اور فراغت کر دے گا)۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ یہ طلاق دینے والے شوہر ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ حکم آدمی کے ہر خرچ کے لیے عام ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی کا خرچ اس کی تنگی وسہولت اور رزق میں وسعت کے اعتبار سے ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا یکلف اللّٰہ نفساً إلا ما آتاھا" (اللہ تعالیٰ آدمی کو اپنے دیے ہوئے کے مطابق مکلف بناتا ہے)، اگر اللہ تعالیٰ نے اسے رزق میں وسعت دی ہے تو وہ خرچ میں وسعت سے کام لے گا اور اگر تنگی ہے تو اسی کے حساب سے خرچ کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فقیر کو غنی کے خرچ کا مکلّف نہیں بناتا، اور "سیجعل اللّٰہ بعد عسر یسراً" اللہ تعالیٰ اس فقیر کو جس کا رزق تنگ ہے دشواری کے بعد آسانی اور تنگی کے بعد کشادگی و خوشحالی اور فقر کے بعد مالداری عطا فرمائے گا، اس لیے کہ اللہ ہی دینے اور روکنے والا ہے، اس لیے انسان کو اپنی حیثیت کے مطابق بے خوف وخطر خرچ کرنا چاہیے۔

تیسرا مقصود کھانے پینے میں میانہ روی: سورہ یوسف میں اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا اپنے والد یعقوب علیہ السلام کے ساتھ جمع ہونے میں جب وہ مصر سے واپس آئے، وہ توشہ اور کھانے پینے کی چیزوں کے لیے مصر گئے تھے، کیونکہ پورے ملک میں قحط عام تھا، اور اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حکومت دی تھی، وہ لوگوں کو احتیاط کے ساتھ غلہ دیتے تھے اور اسے اچھی طرح جمع رکھتے تھے، ان کے پاس لوگ تمام صوبوں سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ ورسد کے لیے آتے تھے، وہ ایک آدمی کو ایک اونٹ کے بوجھ سے سال میں زیادہ غلہ نہیں دیتے تھے۔

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کو پہچان لیا لیکن انہیں اپنی حقیقت حال سے آگاہ نہیں کیا اور جب انہوں نے ان کے اسباب مہیا کرا دیا تو ان سے کہا کہ وہ ان کے چھوٹے بھائی کو دیکھنا چاہتے ہیں، اگر وہ اسکو اپنے ساتھ لائیں گے تو یہ انکا اکرام کریں گے، انہیں پورا پورا حصہ دیں گے۔

اورانہوں نے اپنے خدمتگاروں سے کہا کہ ان کی پونجی انہیں کی بوری میں رکھ دو، شاید وہ جب لوٹ کر جائیں گے تو جان لیں گے کہ یہ انہیں کی پونجی ہے جو انہیں لوٹا دی گئی ہے، جب وہ لوگ اپنے والد کے پاس لوٹ کر گئے تو انہوں نے ان کو بتایا کہ اگر وہ اپنے چھوٹے بھائی کو عزیز مصر کے پاس لے کر نہیں جائیں گے تو وہ انہیں غلہ ورسد نہیں دیں گے، ابتداءً انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ:"هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ كَمَا آمَنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ" [سورۃ یوسف، آیت:۶۴] ([یعقوب علیہ السلام] نے کہا کہ مجھے تو اسکی بابت تمہارا بھی ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا)۔تم اپنے وعدوں اور اپنی حفاظت کے دعووں کو چھوڑو۔

سفر کے تکان سے آرام وراحت کے بعد انہوں نے اپنی بوریوں کو اس میں غلہ نکالنے کے لیے کھولا تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ان کی پونجی بھی موجود ہے جس کو لے کر غلہ خریدنے گئے تھے اور ان میں کوئی غلہ نہیں پایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ" [سورہ یوسف، آیت:۶۵] (جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنا سرمایہ موجود پایا جو ان کی جانب لوٹایا دیا گیا تھا، کہنے لگے: اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے؟ دیکھئے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس لوٹا دیا گیا، ہم اپنے خاندان کو رسد لا دیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لا دیں گے، یہ ناپ تو بہت آسان ہے)۔

سید قطب فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے انہیں گیہوں نہیں دیا بلکہ ان کے سرمایہ کو اس کے سامان میں رکھ دیا تا کہ جب وہ لوٹیں تو کہیں اے ہمارے والد! ہمارا غلہ نہیں دیا گیا اور انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنے سرمایہ کو اس میں پایا اور ایسا اس لیے ہوا تا کہ وہ

اپنے بھائی کے ساتھ دوبارہ لوٹنے پر مجبور ہو جائیں۔

بہر حال انہوں نے اپنے سرمایہ کو لوٹا دینے کو اپنے بھائی کو ساتھ لے جانے پر اپنے باغی وظالم نہ ہونے پر دلیل سمجھا، اور کہا: اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے؟ دیکھئے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس لوٹا دیا گیا، پھر انہیں تنگ کرنے لگے اپنے اہل وعیال کے طعام کی ضرورت ومصلحت کی طرف اشارہ کرکے، "ونمیر أهلنا" المیرة کہتے ہیں: توشۂ راہ- رسد کو، "ونحفظ أخانا" اپنے بھائی کی حفاظت کا اپنے پختہ عزم وارادہ پر زور دے رہے ہیں اور انہیں رغبت دلا رہے ہیں اپنے بھائی کی وجہ سے غلہ میں اضافہ کا، "ونزداد كيل بعير" اور ان کے لیے (غلہ کا اضافہ) یہ بہت آسان ہے، ان کے قول "نزداد كيل بعير" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام ہر ایک کو ایک اونٹ کے برابر بوجھ کا غلہ دیتے تھے، اور یہ مقدار مشہور ومعروف تھی اور یہ تقسیم قحط کے سالوں کی حکمت کے لائق تھی، تاکہ یہاں سبھوں کے لیے یومیہ رزق باقی رہے، اخیر میں یعقوب علیہ السلام نے نہ چاہتے ہوئے بھی لے جانے کی اجازت دیدی، لیکن اپنے لڑکے کو لے جانے کی ایک شرط متعین کی کہ وہ اللہ کی قسم کھائیں وہ سب ان کے لڑکے کو ان کے ضرور بالضرور لوٹا دیں گے۔

دعوت وتبلیغ میں آسانی

اللہ تعالیٰ کی دعوت وتبلیغ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کا وظیفہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان پر اپنی کتابیں نازل کی، لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی اور صرف اس کی عبادت کی دعوت کے لیے جس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے اور ان پر اتمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ" [سورۃ النساء، آیت: ۱۶۵] (ہم نے انہیں رسول بنایا ہے خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر نہ رہ جائے)۔

اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کو تمام رسولوں پر واجب کیا ہے، ان میں سرفرست ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اُدْعُ إِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" [سورۃ النحل، آیت: ۱۲۵] (اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے)۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف دعوت دینے کا حکم فرمایا ہے، اس حکم میں ان کی امت بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْ إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ" [سورۃ یوسف، آیت: ۱۰۸] (آپ کہہ دیجیے میری راہ یہی ہے، میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس امت کو بھی عزت دی ہے اور شرف سے نوازا ہے، دعوت الی اللہ کے وظیفہ میں بہت سی

آیتیں قرآن میں اس پر صراحۃً دال ہیں، انہیں میں سے ایک آیت یہ بھی ہے: " كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ "[سورۃ آل عمران، آیت:۱۱۰] (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کیے گئے ہو کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو)۔

داعی کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو دعوت دینے میں تدریجی طریقہ کی پوری رعایت کرے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو وصیت کی، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو آپؐ نے فرمایا: "تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، تم سب سے پہلے اللہ کی معرفت کا حکم دینا، جب وہ اللہ تعالیٰ کو جان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات و دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ نماز ادا کرنے لگیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالداروں سے لی جائے گی اور فقراء و مساکین میں تقسیم کی جائے گی، اگر وہ مان لیں تو تم ان سے زکوٰۃ وصول کرو، اور لوگوں کو عمدہ مال کا شوق دلاؤ"۔

ہم اس حدیث میں دیکھ رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح دعوت الی اللہ میں تدریجی منہج کو بیان فرمایا، یہ اسلام کی آسانیوں اور سہولتوں میں سے ہے۔

تدریج کی رعایت کا یہ نبوی الٰہی طریقہ لوگوں کی سیاست و تدبیر میں بھی اپنانا چاہیے اور اس وقت بھی اپنانا چاہیے جبکہ زندگی میں اسلامی نظام کو منطبق کرنے کا ارادہ ہو، اور نئی مکمل اسلامی زندگی کو شروع کرتے وقت خاص کر ایسے زمانہ میں جس میں اسلام خود اپنوں کے درمیان اجنبی ہو کر رہ گیا ہے تو غیروں میں کیا حال ہوگا، جب ہم کوئی حقیقی اسلامی معاشرہ یا سوسائٹی قائم کرنا چاہیں تو یہ نہ خیال کریں یہ اسلامی معاشرہ ایک دم سے وجود میں آجائے گا بلکہ یہ آہستہ آہستہ فکری، نفسیاتی، اخلاقی اور اجتماعی تیاری کے ذریعہ ہوگا اور ان حرام صورت

حال کا شرعی بدل ڈھونڈھنا ہوگا جس کے لیے لمبے عرصے سے متعدد ادارے قائم ہیں اور جدوجہد جاری ہے۔

یہاں تدریج سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہم اس عمل کو اور اس کے نفاذ کو آئندہ پر ٹالتے رہیں بلکہ اس سے مراد مرحلوں کی تعیین ہے، احساس وشعور اور سچائی کے ساتھ اس طور پر کہ ہر مرحلہ کو بعد کے مرحلہ کے حوالہ تخطیط، پلاننگ، تنظیم اور پختہ ارادہ کے ساتھ کیا جائے، حتیٰ کہ یہ عمل پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے اور اسلام کا مکمل طور پر سو فیصد نفاذ ہو جائے۔

داعی الی اللہ توفیق کا محتاج ہوتا ہے، اس کے بغیر نہ وہ اپنی دعوت میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ اپنے اہداف ومقاصد تک پہنچ سکتا ہے، لہٰذا اگر توفیق الٰہی اس کے شامل حال نہیں رہی تو اس کی کامیابی دشوار ہی نہیں، محال ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلا رہا ہے، اصطلاح کلمۂ یسر اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا مکلف بنانے کے سیاق میں آیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ فرعون کون ہے؟ کیسا سرکش، طاقت وقوت اور اقتدار والا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی جان لیا کہ انہیں ایک ایسے عظیم امر کا مکلف بنایا گیا ہے جس میں ان چیزوں کے برداشت کرنے کی ضرورت پڑے گی جن کو صرف کشادہ ظرفی، فراخ دلی اور مضبوط وقوی ارادے والے ہی برداشت کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " اِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ، قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي وَاجْعَل لِّي وَزِيراً مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيراً وَنَذْكُرَكَ كَثِيراً إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيراً " [سورۃ طٰہٰ، آیت: ۲۴-۲۵] (اب تو فرعون کی طرف جا اس نے بڑی سرکشی مچا رکھی ہے، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے پروردگار!

میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور میرے کام کو مجھ پر آسان کردے اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے کردے یعنی میرے بھائی ہارون کو، تو اس سے میری کمر کس دے اور اسے میرا شریک کار کر دے تاکہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں اور بکثرت تیری یاد کریں، بیشک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی کہ ان کے سینہ کو کھول دے، اور سینہ کا کھل جانا کام کی محنت ومشقت کو لذت وفرحت میں بدل دیتا ہے، اور انہوں نے اپنے رب سے طلب کیا کہ ان کے لیے ان کے معاملہ کو آسان کردے اور میرے لیے اس پیغام کی انجام دہی کو آسان کردے جس کے انجام دہی کا تو نے مجھے مکلف بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کا بندوں کے لیے آسان کردینا ان کی کامیابی وکامرانی اور فوز وفلاح کا ضامن ہے، ورنہ انسان بغیر آسانی کے کیا کرسکتا ہے، اس کی قوتیں محدود ہیں، اس کا علم ناقص ہے، اور راستہ پرخطر اور طویل ہے۔

انہوں نے اپنے سے مطالبہ کیا کہ ان کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ ان کی بات سمجھ سکیں اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی زبان میں لکنت تھی، اور یہ طلب کیا کہ انہیں کے کنبے میں سے کسی معاون سے ان کی مدد کرے یعنی ان کی بھائی ہارون کے ذریعہ، وہ ان کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ فصیح اللسان اور اعصابی اعتبار سے پرسکون ہیں، سریع الانفعال نہیں ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام سریع الانفعال تھے، اور انہوں نے طلب کیا کہ ان کے بھائی ہارون کے ذریعہ ان کی مدد کرے اور اس سے میری کمر کس دے، مضبوط کردے، اور وہ ان کے ساتھ اس امر عظیم میں غور وفکر کریں جو ان پر لازم ہے، وہ عظیم وجلیل معاملہ جو اس پر مقدم ہے، تسبیح اور ذکر کثیر کا محتاج، اور یہ اس وجہ سے ہے تاکہ داعیوں کو معلوم ہوجائے کہ ان

کی دعوت کی کامیابی وکامرانی ان کے اللہ تعالیٰ سے قرب وبعد کے ساتھ مربوط ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کے دل کو کھول دے اور ان کے معاملہ کو آسان کردے اور ان کی زبان کی گرہ کھول دے اور انہیں کنبے میں سے ایک وزیر کے ذریعہ ان کی اعانت کرے، ان تمام چیزوں کا مطالبہ اس لیے ہے کہ تاکہ وہ خود سے معاملہ کا سامنا کریں اور یہ تمام چیزیں ان کے اور ان کے بھائی کے لیے معاون ومساعد ہوں تسبیح کثیر وذکر کثیر پر اس ذات کی طرف سے جو خوب سننے اور خوب جاننے والی ہے، "إنك كنت بنا بصيراً" آپ ہمارے حال سے، ہماری کمزوریوں سے، ہماری کوتاہیوں سے خوب واقف ہیں اور ہماری تدبیر ومدد کی ضرورت کو بھی خوب جانتے ہیں۔

آیتیں مسلسل بیان کررہی ہیں کہ داعی اپنی کامیابی میں اللہ کی توفیق کا محتاج ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ إِلَّا مَاشَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ" [سورۃ الاعلیٰ، آیت:۶-۷] (ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا مگر جو کچھ اللہ چاہے، وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے، ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کردیں گے)۔

آیتیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر مشتمل ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ سے قرآن حفظ کرنے کی محنت ومشقت اور تکان کو دور کرے گا، لہٰذا آپ کے لیے صرف پڑھنا ہے، اسے آپ کے دل میں محفوظ رکھنے کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا جو ان کا رب ان کو پڑھائیں گے اس کو ہرگز نہیں بھولیں گے، "إلا ما شاء الله" (مگر جو کچھ اللہ چاہے)۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شی نہیں بھولتے تھے مگر جو کچھ اللہ چاہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "فلا تنسیٰ" طلب کے معنی پر دلالت کررہا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ مت بھولیے سوائے ان آیتوں کو جن کا حکم منسوخ ہوگیا ہے یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مت بھولیے جسے ہم آپ کو پڑھاتے ہیں لیکن ان آیتوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دیا ہے اس کے ترک کرنے میں آپ کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "إنه يعلم الجهر وما يخفىٰ" یعنی بندوں کے اعلانیہ ومخفی افعال واقوال کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، اور دوسری بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے: "نيسرك لليسرىٰ" (ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کر دیں گے) يسرىٰ أيسر کا مؤنث ہے اور صفت ہے لیکن یہاں موصوف کے قائم مقام ہے، اصل عبارت الطريقة اليسرىٰ، تيسير کے معنی آسانی پیدا کر دینا ہے، یعنی ہم آپ کو ایسا کر دیں گے، آپ ہمیشہ دعوت وتبلیغ کے آسان سے آسان طریقہ کو اختیار کریں گے، قولاً وفعلاً دونوں اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کو ہدایت دیں گے اور دوسروں پر اتمام حجت فرمائیں گے اور ان کی تکلیف پر صبر کریں گے، اللہ کے رسولؐ ابتداءً رسالت میں خائف و ڈرے ہوئے تھے کہ وہ رسالت کے واجبات وفرائض کو پورا نہیں کر پائیں گے تو اللہ نے ان کے اطمینان قلب کے لیے ان سے وعدہ فرمایا کہ رسالت کا بوجھ ان کے لیے آسان فرما دیں گے، لہٰذا نہ تو یہ ان کے لیے دشوار ہوگا اور نہ باعث حرج۔

پھر دعوت وتبلیغ کا راستہ شاق طویل اور مصائب وپریشانیوں سے بھرا ہوا ہے اور داعی بہت سی تکلیفوں، آزمائشوں کا سامنا کرنا ہے، لہٰذا انہیں صبر کرنا چاہیے اور ثواب کی امید رکھنی چاہیے اس لیے کہ اللہ ہی کشادگی عطا کرنے والا ہے اور اسے اللہ کے فضل وکرم اور نعمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، پوری انسانیت کے نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بہت سی تکلیفوں اور آزمائشوں کو جھیلا، لیکن انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آسانی اور کشادگی کی بشارت دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً"

[سورۃ الشرح، آیت:۵-۶] (پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے)۔

یہ سورہ سورۃ الضحیٰ کے بعد نازل ہوئی، گویا کہ اس کا نتیجہ وتکملہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الضحیٰ میں مذکور حالت یتم کو، اپنی قوم کی گمراہی اور خاص طور سے ان لوگوں کی گمراہی کو جھیلا ہے جن کی مخالفت کا اللہ تعالیٰ آپ کو الہام کیا تھا، پھر آپ نے بار نبوت کو اٹھایا جس کے نتیجہ میں آپؐ اپنی قوم کی طرف سے ایسی تکلیف وآزمائش سے دوچار تھے جیسی تکلیف وآزمائش سے کوئی دوچار نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی کہ وہ تمام امور کو آپ کے لیے آسان فرمادے گا اور ان کے دلوں کو نرم فرمادے گا، اس کے نتیجہ میں ان کا دین تمام ادیان وفرق پر غالب آجائے گا اور ان کے ساتھیوں کو فقر وفاقہ کے بعد مالدار بنادے گا، ان کی قلت کو کثرت سے اور ان کی ذلت کو عزت سے بدل دیگا اور مخالفین ان کے مطیع ومنقاد ہوجائیں گے، اور اکثر ممالک کو فتح کریں گے تاکہ آسانی کی یہ بخشش ان کے حق میں پیش آمدہ دشواری کے مطابق ہوجائے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: ''تمہارے لیے آسانی مل گئی، کوئی دشواری اب آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔

ابن عاشورؒ فرماتے ہیں کہ کلام کا سیاق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام مصیبتوں کو ان کے لیے آسان کردینے کا وعدہ کیا ہے، لہٰذا آسانی ان مصیبتوں سے پیچھے نہیں رہے گی اور یہ کلمہ مـــــع کی خصوصیت ہے جو مصاحبت کے معنی پر دلالت کرتا ہے، یسری کی تنکیر یعنی یسراً کو نکرہ تعظیم کے لیے لایا گیا ہے یعنی عارضی دشواری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی عظیم آسانی ہوگی جو دشواری وتنگی پر غالب آجائے گی، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ وعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے لیے ہو۔

امام فخر الرازی اللہ تعالیٰ کے قول کے تکرار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب

کوئی آدمی کہتا ہے:"إن مع الفارس سیفاً" ، "إن مع الناس سیفاً"تو اس سے یہ اوہام آتا ہے کہ شہسوار ایک ہو اور اس کے ساتھ دو تلواریں ہوں، اور اس کا بھی امکان ہے دوسرا جملہ پہلے جملہ کا تکرار ہو اور اس سے مقصود اس کے معنی کو دل میں راسخ کرنا ہو۔

ابن عاشورؒ فرماتے ہیں کہ جملہ "إن مع العسر یسراً" ،"فإن مع العسر یسراً" کی تاکید ہے اور تاکید سے مراد اس حکم کی تاکید ہے جس پر یہ جز مشتمل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس جملہ سے جو حکم مستفاد ہوتا ہے وہ دشواری کے ساتھ آسانی ہے، لہٰذا اس تاکید سے آسانی کے اثر کا دشواری کے اثر پر راجح ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی ترجیح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول "لن یغلب عسر یسرین" سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا تثنیہ یہاں رمزی کنایہ ہے، غالب آنے اور راجح ہونے سے۔

یسرین سے مراد: (۱) دنیا کی آسانی ہے اور وہ ملکوں کے فتح کا آسان ہونا ہے۔ (۲) آخرت کی آسانی ہے اور وہ جنت کا ثواب ہے۔ دنیا کی دشواری دنیا و آخرت کی آسانی کے مقابلہ میں بہت کم و معمولی ہے۔

مفسرین کے کلام سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت سے جز کے راستہ کو ان کے لیے آسان فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس امت کو ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمائیں گے، پھر لوگ دعوت کے سامنے دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) یا مومن ہوتے ہیں جو دعوت کی تصدیق کرتے ہیں۔ (۲) یا کافر، اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔

دعوت کی تصدیق کرنے والا مومن: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُ جَزَاءُ الْحُسْنىٰ وَسَنَقُوْلُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْراً" [سورۃ الکہف، آیت:۸۸] (ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اس کے لیے تو بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اسے اپنے کام میں

بھی آسانی ہی کا حکم دیں گے)، یہ آیت ذوالقرنین کے مغرب کی جانب سفر کے سیاق میں آئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتح وحکومت کے اسباب اور تعمیر وآبادی کو آسان کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ملکوں کو فتح کرنا آسان فرما دیا تھا، اور ان مفتوحہ ملکوں میں تصرف اور مغلوب قوموں کے ساتھ معاملہ کا اختیار دے دیا تھا، اللہ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ یا تو انہیں قتل کا عذاب دیں یا انہیں ایمان کی دعوت دیں، ذوالقرنین نے ان قوموں کے ساتھ اپنے معاملہ کو دستور کو واضح کر دیا کہ ظالم وکافر کو وہ ان کے ظلم وکفر کی وجہ سے عذاب دیں گے، اور وہ اخروی عذاب کا مزہ بھی چکھیں گے، اور جن لوگوں نے اللہ کی تصدیق کی اور ان کی وحدانیت کا اقرار و اعتراف کیا اور اچھے اعمال کیے تو ان کے لیے بہترین بدلہ ہے اور ہم انہیں اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کی تعلیم دیں گے اور اللہ کے لیے ان کے دلوں کو نرم کر دیں گے اور ان کے لیے زکوٰۃ، نماز، جہاد اور اس طرح کی دوسری عبادت دشوار نہیں ہوگی، "وسنقول له من أمرنا يسرا" ہم اس سے آسانی ونرمی اور لطف ومہربانی سے کلام کریں گے، اور ہم اس کو بدلہ دیں گے، اس کی تسبیح کریں گے واس کی تعظیم واحترام کریں گے۔

وہ کافر جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا" [سورۃ الاحزاب، آیت: ۱۴] (اور اگر مدینہ کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر دیتے اور نہ لڑتے مگر تھوڑی مدت)۔

سید قطبؒ فرماتے ہیں: قرآن ان منافقین اور ان لوگوں کی جس کے دلوں میں بیماری ہے کی نفسیاتی تصویر پیش کر رہا ہے، عقیدہ اور دل کی کمزوری کی نفسیاتی تصویر اور اچانک صف سے نکلنے کی تصویر۔

" لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا " اگر یہ فوجیں مدینہ کے اطراف سے ان پر

داخل ہو جائیں جن کے خوف سے وہ گھروں اور شہروں کی طرف بھاگتے ہیں "ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا" پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر دیتے اور نہ لڑتے مگر تھوڑی دیر۔

اور ان سے ایمان سے شرک کی طرف لوٹنے کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ تیزی کے ساتھ بغیر کسی تردد کے ایسا کر گزرتے، تو یہ کمزور عقیدہ اور وہ بزدلی ہے، اس طرح قرآن ان کے حال کو کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ داعی کے لیے اس کے دعوتی عمل کو آسان فرمادے گا اگر اس کی نیت خالص ہو اور وہ اسی کی طرف رجوع کرے اور دعوت کو آسانی ونرمی کے ساتھ پیش کرے حتیٰ کہ لوگ اسے سمجھیں اور اس کی طرف متوجہ ہوں، اور داعی اپنی دعوت میں آزمائشوں سے دوچار ہوتا ہے۔

اور یہ عمل نہایت دشوار ہے، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آسانی کا وعدہ فرمایا ہے: "إن مع العسر يسراً"، "إن مع العسر يسراً" دعوت کے سامنے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: (۱) مومن کا گروہ (۲) کافر مشرک کا گروہ، داعی کے ذمہ صرف دعوتی میدان میں کوشش کرنا ہے، دینی پیغام اللہ کے احکام کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے، نتائج صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

"فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" [سورۃ الکہف، آیت:۲۹] (اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے) داعی کی ذمہ داری صرف لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانا ہے، کسی کو وہ کسی عقیدہ یا فکر کے ماننے یا اپنانے پر مجبور نہیں کر سکتا، لیکن اخیر میں محسن کو اس کے احسان کا، مسیئ کو اس کے گناہ (شر) کا بدلہ دیا جائے گا۔

آسانی کے تطبیقی نمونے

پہلی بحث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آسانی
دوسری بحث: صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی میں آسانی

پہلی بحث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آسانی

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے کہ وہ اپنی امت کے لیے نہایت شفیق ومہربان ہیں، امت کی ہر مشقت ان پر شاق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ" [سورۃ التوبۃ، آیت:۱۲۸] (تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت وشفقت، رافت ومودت آپ کی امت کے حق میں نبوی طریقہ پر تھی، ان کے اقوال وافعال آپ کی پوری سیرت میں نمایاں ہیں، جیسا کہ آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا جیسا کہ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں:" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو معاملوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں زیادہ آسان کو اختیار فرماتے تھے جبکہ وہ گناہ نہ ہو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو زندگی میں آسانی کو اختیار کرنے کی تعلیم دینا چاہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین نفسیاتی حالات اور وعظ ونصیحت کے قبول کرنے کی صلاحیت کا لحاظ فرماتے تھے، اور اکتانے اور تشریع کو ناپسند کرنے کے خوف سے انہیں بہت کم اوقات میں وعظ ونصیحت فرماتے تھے، جیسا کہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکتانے کے خوف سے ہم لوگوں کو کبھی کبھی وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی ایسی حدیثیں ثابت ہیں جو آپ کی اپنی امت پر مکمل شفیق ومہربان ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس خوف پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ ان پر کوئی ایسی شئ واجب نہ کریں جو ان کے لیے باعث مشقت وپریشانی ہو، اور اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایسے طریقہ سے اجتناب فرماتے تھے جو ان کے لیے دشواری کا سبب بنے۔

انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی نماز ادا کی، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ادا کی، دوسری رات لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی، پھر لوگ تیسری وچوتھی رات کو جمع ہوئے تو نماز کے لیے نہیں نکلے، جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''تم لوگوں نے جو کچھ کیا میں نے اسے دیکھا، لیکن میں صرف اس خوف سے نہیں نکلا کہ تراویح تم پر کہیں فرض نہ کردی جائے''۔ دوسری روایت میں ہے: "فتعجزوا عنها" (تو تم اس سے عاجز آجاؤ)۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کے حال پر رحم کھاتے ہوئے ان کی کمزوری کی رعایت کرتے ہوئے اور ان سے مشقت کو دور کرنے کے لیے ہلکی اور مختصر نماز پڑھاتے تھے، حالانکہ نماز آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، آپ اس میں (نماز میں) چین وسکون اور آرام وراحت محسوس کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور لمبی کرنا چاہتا ہوں تو میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں مختصر کردیتا ہوں، اس خوف سے کہ

میں اس کی ماں کو مشقت میں نہ ڈال دوں''۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں انہیں مسواک کا حکم دیتا''۔

اس سلسلہ میں ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو تخفیف کا حکم فرماتے تھے اور دین میں تعمق وتشدد اور غلو سے منع فرماتے تھے اور انہیں آسانی اور اعتدال کی طرف رہنمائی فرماتے تھے، اور یہ ان احادیث کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو اس کو واضح ونمایاں کرتی ہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم کے پاس آتے تھے اور ان کی امامت کرتے تھے، ایک رات انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی پھر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کی امامت کی اور سورہ بقرہ شروع کیا، ایک آدمی نماز سے پھر گیا اس نے سلام پھیری اور تنہا نماز ادا کی اور چلا گیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا: ''کیا تم منافق ہوگئے، اے فلاں!؟'' اس نے جواب دیا: ''نہیں! بخدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور انہیں ضرور بتاؤں گا''، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم سینچائی کرنے والی، اونٹ والے ہیں، دن بھر کام کرتے ہیں، اور حضرت معاذؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء پڑھ کر آئے اور انہوں نے سورہ بقرہ شروع کر دیا''، یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اے معاذ! کیا تم لوگوں کو آزمائش وفتنہ میں ڈالتے ہو، اس طرح کی سورتیں مت پڑھا کرو''۔

اور دوسری روایت میں ہے: ''سبح اسم ربك الأعلى''، ''والليل إذا يغشى''، ''والضحى'' پڑھا کرو۔

ایک دوسرے قصہ میں ہے کہ ایک آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ: ''میں فلاں کی وجہ سے فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں کیوں کہ وہ بہت لمبی

نماز پڑھاتے ہیں''، حدیث کے راوی ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن سے زیادہ کسی نصیحت میں غصہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، آپؐ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو نفرت دلاتے ہیں، تم میں سے جو بھی لوگوں کی امامت کرے تو اسے مختصر نماز پڑھانی چاہیے، اس لیے کہ تمہارے پیچھے بڑی عمر والے ہیں، کمزور ہیں اور ضرورت مند ہیں۔

بعض صحابہؓ کی حالت تو یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ انہوں نے عزیمت کو اختیار کرنا چاہا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی یہ سمجھتے ہوئے کہ یہی تقویٰ اور خشیت کا طریقہ ہے اور رخصت نبی کریمؐ کے ساتھ خاص ہے اس لیے کہ ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے گئے ہیں، اور یہ صحابہ سمجھ رہے تھے کہ زیادہ سخت (اشد) حکم کو اختیار کرنا ہی تقویٰ ہے اور اللہ سے زیادہ قریب کرنے والا عمل ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے واضح کر دیا ہے اتباع کا صحیح طریقہ اور آسانی و سہولت کو اختیار کرنا اور رخصت پر عمل کرنا ہی اللہ کے رسولؐ کا منہج ہے اور وہ لوگوں میں اللہ کی شریعت کو سب سے زیادہ جاننے والے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہیں۔

اس کی وضاحت حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو ان کی استطاعت کے مطابق اعمال کا حکم فرماتے تھے تو وہ کہتے تھے: ''اے اللہ کے رسول! ہم لوگ آپ کی طرح نہیں ہیں، اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں'' تو آپؐ غصہ ہو جاتے تھے اور غصہ کے آثار آپؐ کے چہرہ پر ظاہر ہونے لگتے تھے، پھر آپ فرماتے تھے کہ: ''تم میں سب سے زیادہ متقی اور اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا میں ہی ہوں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علمی و عملی دونوں قوتوں کے جامع تھے، ان کا منہج ہی صحیح، سیدھا اور درست منہج ہے، اس حدیث میں وضاحت ہے کہ صحیح راستہ اور درست منہج شریعت کے رخصت و عزیمت کے متعین کردہ حدود پر رک جانا ہی ہے اور یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ

شریعت کے حکم کے مطابق زیادہ آسان حکم کو اختیار کرنا بہتر اور افضل ہے، شریعت کے خلاف دشوار ترین حکم کے اختیار کرنے سے جیسا کہ اللہ کے رسولؐ نے لوگوں کو باخبر کر دیا تھا کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے و پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں لیکن اس کے باجود وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ متقی ہیں، اللہ کے رسولؐ نے جس عزیمت و رخصت پر عمل کیا وہی خشیت و تقویٰ کی انتہا ہے، یہیں سے ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ ان لوگوں پر کیوں غصہ فرماتے تھے جو تعمق و تشدد اور غلط منہج اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہی نجات و فلاح کا راستہ ہے تو اس میں کوئی غرابت و استعجاب نہیں کہ ہم نے نبی کریمؐ کو ان کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھا ہے جو تعمق و تشدد، غلو اور دشوار ترین حکم کو اختیار کرنے کا التزام رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک رسی دو کھجوروں کے درمیان پھیلی ہوئی ہے، تو آپؐ نے پوچھا یہ کیسی رسی ہے؟ صحابہؓ نے کہا حضرت زینب کی رسی ہے، جب وہ عبادت میں سست پڑتی ہیں اس رسی سے ٹیک لگا لیتی ہیں، تو آپؐ نے فرمایا اس رسی کو کھول دو اور تم میں سے ہر ایک کو چستی و نشاط سے نماز ادا کرنی چاہیے، جب وہ سست پڑ جائے تو اسے سو جانا چاہیے۔

سنن میں عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ان کی بہن نے خانہ کعبہ پیدل جانے کی نذر مانی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کو ذرہ برابر پریشان نہیں کرنا چاہتا، لہٰذا اسے سوار ہو کر خانہ کعبہ جانا چاہیے، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے، لہٰذا تم اسے حکم دو کہ وہ سوار ہو کر جائے۔

یہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اعتدال پسند فرماتے تھے اور آسانی و سہولت کو اختیار فرماتے تھے، آسانی و نرمی اختیار کرنا، حالات کی رعایت کرنا آپ کے معمولات میں سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت آسان و سہل راستہ کو اختیار کرتی ہے اور تصنع و تکلف اور تعمق و تشدد اور غلو سے دور ہے۔

دوسری بحث: صحابہؓ وتابعینؒ کی زندگی میں آسانی

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے عملی نمونہ واسوہ ہیں، وہ کیسے نمونہ واسوہ نہ ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سے دنیا وآخرت ہر دو جگہ راضی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" [سورۃ الفتح، آیت: ۱۸] (یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوگیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے)۔

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہی جماعت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کے مشاہدہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سننے کے لیے اور افعال کے مشاہدہ کے لیے اور ان کے اوامر کے امتثال کے لیے ان کی توجیہات وارشادات سے استفادہ کے لیے اور ان کی تطبیقات کی اقتداء کے لیے منتخب فرمایا، یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے نبوت کا زمانہ پایا، خالص اسلام کا زمانہ پایا، اس جگہ ہم بعض ان روایتوں کو پیش کر رہے ہیں جو ان کے بارے میں منقول ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے صحابہؓ بھائیوں کے منہج اور ان کی اقتداء کے بارے میں فرماتے ہیں: جو کوئی تم میں سے سنت یا طریقہ اختیار کرنا چاہے جو وفات پا گئے اس لیے کہ زندہ پر فتنہ سے امن واطمینان نہیں ہوسکتا، وہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں جو اس وقت کے سب سے افضل افراد تھے، ان میں دلوں کے اعتبار سے سب سے نیک، علم کے اعتبار سے سب

سے گہرے، اور تکلف کے اعتبار سے سب سے کم، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی محبت کے لیے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے منتخب فرمایا تھا، لہٰذا تم ان کے نقل وکمال کو جانو اور ان کی سیرت ونقش قدم کی پیروی کرو اس لیے کہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔

انہیں سے روایت ہے (عبداللہ ابن مسعودؓ) دین میں غلو اور تعمق تشدد سے بچو اور قدیم پر جم جاؤ (۲) یعنی جس پر اللہ کے رسولؐ اور ان کے ساتھی تھے، یہی وہ رسول اللہ کے اصحابؓ ہیں اور یہ ان کا طریقہ ومنہج ہے، علم میں رسوخ وپختگی تھی، تصنع وتکلف سے کوسوں دور تھے، دلوں میں صلاح وتقویٰ تھا، سیدھی ہدایت اور واضح راستہ پر تھے۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے پاس تھے تو ہم نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم کو تصنع وتکلف سے روکا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی بارش کے دن انہوں نے محلّہ کے مؤذن کو حکم دیا کہ وہ اپنی اذان میں "وصلوا في رحالكم" (اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو) اور جب لوگوں نے انکار کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کو اس ذات نے کیا ہے جو مجھ سے بہتر ہے (یعنی نبی کریمؐ) اس لیے کہ جمعہ حق ہے اور میں نے پسند نہیں کیا کہ تم لوگوں کو نکالوں، اور تم مٹی اور پھسلن میں چلو۔

تابعین کی زندگی میں: تابعین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ کے منہج وطریقہ کو علم وعمل، توجیہ وارشاد اور اقتداء میں اختیار کیا، ان کا طریقہ شدت وغلو اور تصنع وتکلف سے دور تھا، اور وہ آسانی وسہولت کو اختیار فرماتے تھے، آپ کے سامنے ان کے اقوال کی چند مثالیں ہیں۔

امام شعبیؒ کا قول ہے: جب تمہارے سامنے دو معاملے مختلف ہو جائیں تو ان دونوں میں جو زیادہ آسان اور سہل ہوتا ہے وہی حق سے قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ

سے "یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" [سورۃ البقرۃ، آیت:۱۸۵] (اللہ تمارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا ہے)۔

اور حضرت معمر اور سفیان ثوری نے فرمایا کہ علم یہ ہے کہ تم رخصت کے بارے میں کسی ثقہ سے سنو، تشدد وغلو کو ہر آدمی اچھا کہتا ہے۔

اور ابراہیم نخعی نے فرمایا: اگر تمہارے دل میں دو معاملے کھٹکیں تو یہ سمجھ لو کہ دونوں میں جو زیادہ آسان ہے وہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے طریقہ اور ان کے احسان کے ساتھ اتباع کرنے والے تمام ساتھیوں کے طریقہ کی وضاحت کے بعد بالکل واضح ونمایاں ہوگیا کہ آسانی شریعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد اور اس کی ایک یقینی اصل ہے، لہٰذا ہمارا دین آسان ہے، ہماری شریعت آسان ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی، سہولت اور تخفیف ورحمت چاہتا ہے، لہٰذا اس کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے۔

خاتمہ

مسلمانوں کی زندگی میں آسانی وسہولت کے نتائج درج ذیل ہیں:

۱-لوگ دین کو صحیح طور پر سمجھ لیں، اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس میں فوج در فوج داخل ہو جائیں۔

۲-مسلمانوں کی زندگی ایسی سہل وآسان ہو جائے جس میں کوئی حرج یا تنگی نہ ہو۔

۳-واجبات وفرائض کی ادائیگی میں تصنع وتکلف اور غلو اور تشدد سے مکمل دوری ہو۔

۴-اسلام مشرق ومغرب میں آسانی کے ساتھ عام ہو جائے۔

یہ مطالعہ درج ذیل نتائج وتوصیات تک پہنچا:

۱-قرآن کریم کا حاصل کرنا اس کو سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہے، یہ مسلمانوں کے لیے قرآن کریم کی طرف فہم وتدبر اور حفظ کے اعتبار سے پورے طور پر متوجہ ہونے کی دعوت ہے۔

۲-تمام شرعی احکام سہل وآسان ہیں، کوئی بھی حکم اگر بعض مکلفین پر شاق ہے تو شریعت نے اس میں ان کے لیے گنجائش رکھی ہے۔

۳-مطالعہ نے کتاب وسنت کی مختلف دلیلوں اور سلف صالحین کے اقوال واحوال سے واضح کر دیا ہے کہ دفع حرج واجب ہے۔

۴-سہولت وآسانی شریعت کے اہم و بنیادی مقاصد میں سے ہے۔

۵-مشکل ودشوار ترین عبادات کے قصد وارادہ کا دین وسنت سے کوئی واسطہ وتعلق نہیں، یہ صرف اپنے کو ایسے عذاب و پریشانی اور مشقت میں مبتلا کرنا ہے جو شریعت حنیفیہ کے منافی ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض ہے۔

۶-ہر وہ حکم جس میں غلو یا افراط یا تشدد ہو وہ آسانی وسہولت سے خارج ہے۔

۷-اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں غور وفکر کرنے والا پائے گا کہ اجر و ثواب مشقت سے حاصل نہیں کیا جاتا، اجر وثواب کا دارومدار مشقت پر نہیں ہے، بلکہ شارع کے حکم کی تابعداری اور اس کے حکم پر چلنا ہے۔

۸-آسانی اور وسعت کی علامت ایک کامل منہج اور مکمل طریقہ کا مسئلہ ہے اور کسی جزئیہ سے متعلق نہیں ہے۔

۹-بلاشبہ سہولت وآسانی اسلام کے تمام شرعی احکام اور اس کے تمام میدانوں میں موجود ہے لیکن وہ خود بذاتہ مقصود نہیں ہے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام کی تابعداری وفرمانبرداری کا ایک ایسا وسیلہ وذریعہ ہے جو صرف ایک اللہ کی بندگی کے مقصد کو اور شریعت کے مقصود جلب منفعت اور دفع مضرت کو پورا کرتا ہے۔

۱۰-اسلامی حکومت قائم کرنے والی دعوت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد آسانی پر ہو تنگی پر نہ ہو، سہولت پر ہو پیچیدگی اور دشواری پر نہ ہو، خاص طور پر موجودہ دور میں جبکہ ہمتیں کمزور و پست ہو چکی ہیں، لوگوں پر دین کے معاملہ میں سستی وکاہلی غالب آچکی ہے، ان میں جڑ سے روکنے والی رکاوٹوں اور شر سے دلچسپی پیدا کرنے والے اسباب وسائل کی کثرت ہے۔

۱۱-اس دین کی فضیلت یہ ہے کہ اسے بوڑھے، جاہل اور بچے سبھی سمجھ لیں، اللہ تعالیٰ نے اسے انسانیت کے لیے ایک عام دین بنایا ہے، لہٰذا اس دین کے داعیوں کے لیے ضروری

ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اس دین کو آسان ونرم اسلوب میں پیش کریں، ہوسکتا ہے کہ یہ دین شہریوں اور دیہاتیوں کے گھروں میں داخل ہوجائے اور لوگ اسے اچھی طرح محفوظ کرلیں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس عمل کو مقبول فرمائے، اس کے ذریعہ نفع پہنچائے اور میری مغفرت فرمادے، آمین۔